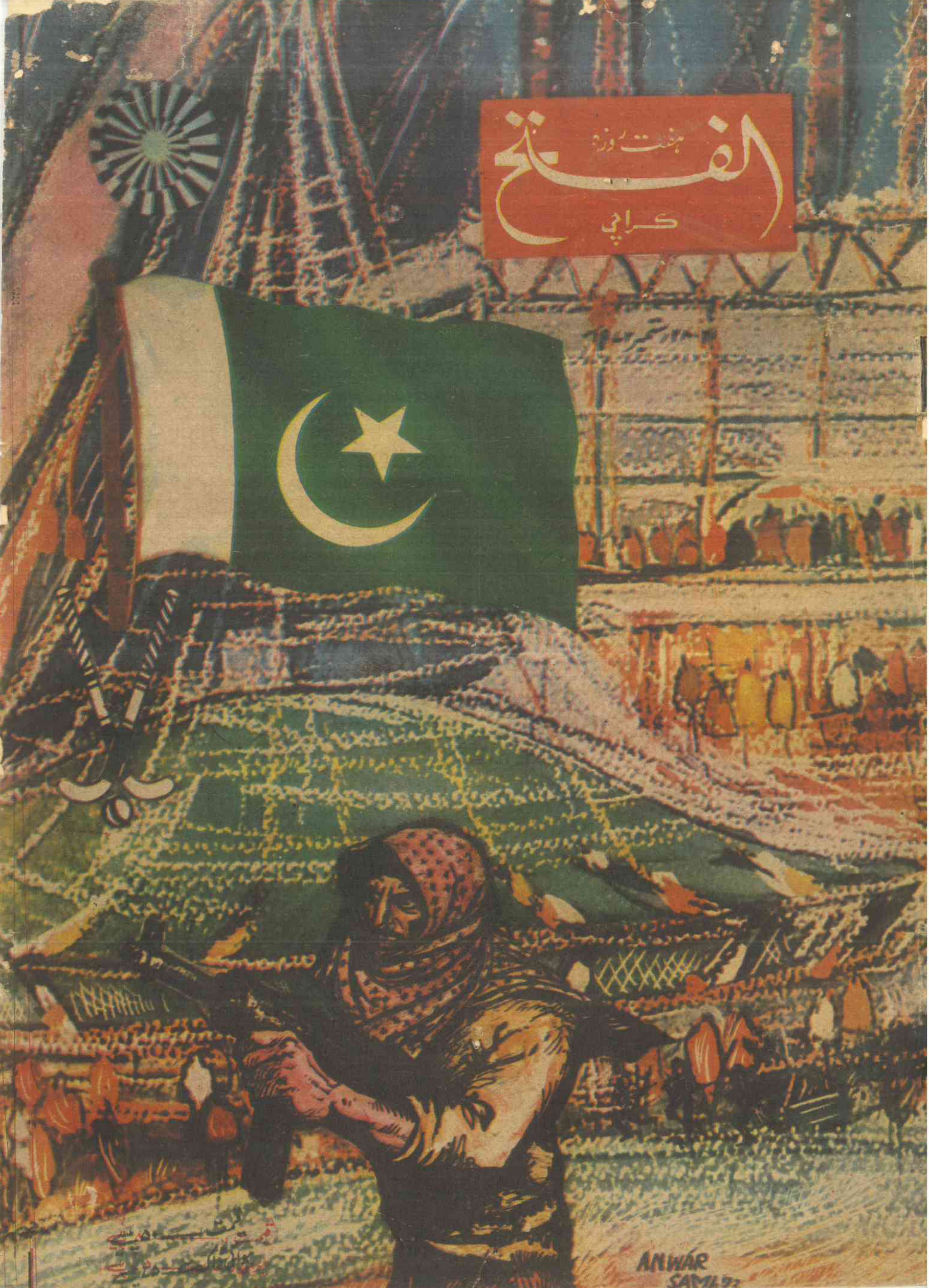

ہفت روزہ
الفتح
کراچی
ANWAR
SAMI



سامراج کے پٹھو ممالک
آسٹریلیا اور ارجنٹائن کے
جانب دار امپائروں نے
ایک سازش کے ذریعے
پاکستان ہاکی ٹیم کو عالمی
اعزاز سے محروم کر دیا
اس جانب دار امپائرنگ کے
خلاف احتجاجاً
پاکستانی ہاکی ٹیم کے
کھلاڑیوں نے
نقرئی تمغے گلے میں
پہننے کی بجائے ہاتھوں
میں لٹکا رکھے ہیں۔

●

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد ۳ ۰ شمارہ ۱۹

۲۱-۲۸ ستمبر ۱۹۷۲ء

نگران

شوکت صدیقی

مدیر

ارشاد راؤ

نائب مدیر

وہاب صدیقی

سرورق :- انور سمیع

بدل اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :	۵۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئ، قطر : ۵ درم

سعودی عرب :- ۵ قرش۔ انگلستان ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقام اشاعت

ہفت روزہ الفتح، ۸۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا

پی، ای، سی، ایچ، ایس۔ کراچی، ۲۹

ایڈیٹر پبلشر :- ارشاد راؤ

مطبع حقی آفسٹ پریس لیاقت آباد کراچی

ٹیلیفون :- ۴۱۲۲۷۴

اداریہ

پاکستانیو! ایک ہو جاؤ

نیپ کے سربراہ خان عبدالولی خان اور ان کی پارٹی نے اچانک پنجاب کے خلاف اپنی اندرونی اور بیرونی کارروائیوں کو تیز کر دیا ہے۔ ہندوستان ٹائمز اور بی۔ بی۔ سی کو ولی خان کے انٹرویو نیپ کے عزائم کی نشان دہی کرتے ہیں۔ صدر بھٹو نے ایوانِ صنعت و تجارت کے عشائیہ میں ولی خان کو اُس کے مقام سے آگاہ کر دیا ہے اور غیر ممالک میں اپنے ہی ملک کے خلاف نیپ کے سربراہ کی تنقید کا سخت نوٹس لیا ہے جو نہ صرف بروقت تھا بلکہ ملکی مفاد میں ضروری بھی۔

یہ ایک قومی المیہ ہے کہ اقتدار پرستوں نے پنجابیوں، پٹھانوں، بلوچوں اور سندھیوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن کے طور پر پیش کیا۔ یہ اقتدار پرست، عوام دشمن، لٹیرے اور سامراجی ایجنٹ اپنی اپنی قومیتوں کے جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے مزدوروں، کسانوں اور محروم طبقوں سے ناانصافی کی ہے۔ اس کے برعکس وہ یہ کہتے ہیں کہ "پنجاب نے لوٹ لیا، پنجابی سامراج سے نجات حاصل کرو" حقیقت یہ ہے کہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کے لٹیروں نے اپنے صوبوں کے عوام کو مزید لوٹنے، استحصال کرنے اور دھوکہ دینے کے لئے پنجاب کے خلاف محاذ قائم کیا ہے۔

پنجاب کے عوام بھی اتنے ہی مظلوم ہیں جتنے کہ دوسرے صوبوں کے مزدور اور کسان — پنجاب کے غریب مزدور اور کسان کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے اپنی ہوس کا نشانہ اسی طرح بنایا ہے جیسا کہ سندھ، سرحد اور بلوچستان میں۔ پنجاب کے عوام نے پاکستان کے لئے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ قیام پاکستان کی جدوجہد ہو یا جنگ ۱۹۶۵ء-۱۹۷۱ء کا عظیم المیہ ہو یا ۱۹۷۲ء کا عظیم قومی بحران۔ پنجاب کے مزدور اور کسان کی قربانیاں اتنی ہی لازوال ہیں جتنی کہ دوسرے صوبوں کی۔

ہاں پنجاب کی نوکر شاہی نے یوپی کی نوکر شاہی سے مل کر زیادتیاں کی ہیں۔ ان کی تعداد بلوچستان کے سرداروں، سرحد کے خوانین اور سندھ کے وڈیروں سے زیادہ نہیں۔ ان کے ظلم کے نشانوں کا شکار پنجابی عوام بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے پنجابیوں کو اس لئے معاف نہیں کر دیا کہ وہ پنجابی تھے۔

پنجاب کے عوام کا سندھ کی زمینوں پر قبضہ کرنے والی نوکر شاہی اور ریٹائرڈ کرنلوں، جنرلوں کو ملنے والی زمینوں سے کوئی تعلق نہیں۔ انہیں سندھ میں یہ زمینیں سندھی وڈیروں نے دلوائی ہیں۔ پنجاب کا کسان چاہتا ہے کہ کرنلوں، بریگیڈیروں اور سی۔ ایس۔ پیوں سے غلام محمد بیراج، اباڑو اور دوسرے علاقوں میں دی جانے والی زمینیں واپس لے لی جائیں اور یہ زمینیں سندھی ہاریوں میں مفت تقسیم کی جائیں۔

دراصل ولی خان اور ان کے ساتھی عوام کے عظیم تر اتحاد، مزدوروں اور کسانوں کی عظیم ترین جدوجہد سے خوفزدہ ہیں۔ وہ دقیانوسی سیاسی ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ ابھی یورپ میں بیٹھ کر ولی خان یہ بیان دے سکتے ہیں، مگر ایشیا میں تو سُرخ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ سرحد میں کسانوں نے خوانین کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ سندھ میں ہاری اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہے۔ مزدور منظم ہو رہا ہے۔ بلوچستان میں سردار اپنے انجام کو دیکھ رہے ہیں۔

ایشیا میں طلوع ہونے والے سُرخ سورج تلے ایک عظیم پاکستان تعمیر ہو رہا ہے۔ غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور مظلوم عوام کا پاکستان —— پنجابیوں، سندھیوں، بلوچوں اور پٹھانوں کا پاکستان —— اس سُرخ سورج کی روشنی بڑی تیزی سے بڑھ رہی۔ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

اس کی مخالفت کرنے والے رجعت پسند، بہروپئے اور دائیں بازو کے ایجنٹ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ وہ اس کی تپش محسوس کر رہے ہیں۔

الفتح انکشاف

محمد علی سوسائٹی کے ایک بنگلہ میں زرِمبادلہ کی ہیرا پھیری کا راز دفن ہے

پاکستان کا لاغر اور کمزور جسم خون کی طلب میں تڑپ رہا ہے

زرمبادلہ جیسے پاکستان کے محنت کشوں کے خون کا قطرہ کہا گیا۔ اس کی ضرورت آج بھی روزِ اوّل کی طرح محسوس کی جا رہی ہے۔ پاکستان کا لاغر اور کمزور جسم اِس خون کی طلب میں تڑپ رہا ہے مگر سرمایہ دار، تاجر اور صنعت کار اس خون کی چوری اور ہیرا پھیری میں اِسی طرح قومی بددیانتی کا ثبوت دے رہے ہیں جیسا وہ کل دے رہے تھے۔ ان کے رویّے میں ذرا برابر تبدیلی نہیں آئی۔ انہوں نے بیرونِ ملک میں زندہ رہنے، بلکہ عیش کرنے کا کافی سامان مہیا کر لیا ہے۔ اگر کل ملک پر خدانخواستہ کوئی آفت ٹوٹ پڑے تو وہ چارٹرڈ طیارے کے ذریعہ آسانی سے ملک کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر باہر بھاگ جائیں گے۔ ان کی بلا سے ملک رہے یا بھاڑ میں جائے۔

کراچی کی وکٹوریہ روڈ متمول تاجروں کی کاروباری سرگرمیوں کی اہم مرکز ہے۔ اِس خوب صورت، جگمگاتے، پُرشکوہ علاقے میں بے شمار کمپنیاں لاکھوں روپے کا کاروبار کرتی ہیں۔ یہیں انڈنٹر اور درآمد کنندگان کی ایک بڑی کمپنی ہے، جو یورپ، امریکہ، سوئٹزرلینڈ، سویڈن اور مغربی جرمنی سے بجلی کا سامان، برقی آلات، سائنسی اور تجربہ گاہوں کے لئے بھاری ساز و سامان درآمد کرتی ہے ——— بعض ذرائع نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ انڈنٹر اور درآمد کنندگان کی یہ کمپنی ملک کے دوسرے بڑے سرمایہ داروں کی طرح ۱۹۶۲ء سے "اوور انوائسنگ" کرکے اب تک ملک کو لاکھوں روپے کے زرِمبادلہ سے محروم کر چکی ہے۔

یہ کمپنی باہر سے جو چیز منگواتی ہے، اس میں اوور انوائسنگ کرتی ہے اور زرِمبادلہ کی صورت میں ۱۵ فی صد کی بجائے ۳۰ فیصد کی ادائیگی کرتی ہے۔ اِس طرح ۱۵ فی صد کی ناجائز ادائیگی کو امریکہ برطانیہ، سوئٹزرلینڈ اور لبنان کے بنکوں میں جمع کرایا جاتا ہے۔ یہ اکاؤنٹ "ٹریول لمیٹڈ کے ایک "صاحب" کے پرسنل نام اور ایجنسی کے ایک ایسے فرد کے نام ہے جو برطانوی پاسپورٹ رکھتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۸ء سے اب تک بیرونی ملکوں کے بنکوں میں غیر قانونی طریقہ سے جو زرِمبادلہ جمع کرایا گیا ہے، اُس کی مالیت لگ بھگ ۳۰،۹۶،۰۰۰ پاؤنڈ بتائی جاتی ہے۔

اِس کمپنی کا مالک اور ان کے خاندان کے افراد ہر سال یورپ کے چمکتے دمکتے، جاگتے جگمگاتے ملکوں کی سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں کے مزیّن کمروں میں قیام کرتے ہیں اور اپنی عیاشی پر سینکڑوں روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ اِس خاندان کے ایک صاحبزادے تو مستقل لندن میں قیام فرماتے ہیں۔ کبھی سال دو سال کے بعد ایک آدھ ہفتے کے لئے اِدھر آنا ہوتا ہے تو ناک بھوں چڑھا کر بھاگ جاتے ہیں ——— "یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے ——— اَخ تھو" ——— جس سرمایہ دار خاندان کے "نونہالوں" کی سوچ کا یہ انداز ہو، بھلا اس خاندان سے پاکستان کی سلامتی کی توقع کیا کی جا سکتی ہے؟ اس کمپنی کا کاروبار اور خط و کتابت مندرجہ ذیل بیرونی کمپنیوں سے ہوتا ہے۔

۱:۔ میسرز وبکٹرانی موٹوگراف کارپوریشن۔ امریکہ
۲:۔ میسرز میڈیکل کوچیج ان کارپوریشن۔ امریکہ
۳:۔ کانٹی ننٹل الیکٹرونکس کمپنی، امریکہ۔
۴:۔ کرن اینڈ کمپنی، سوئٹزرلینڈ
۵:۔ اے جی اے ایجنٹ بلاک، سویڈن

اگر مذکورہ کمپنی کے زرِمبادلہ کے غیر قانونی کاروبار اور ہیرا پھیری کی تحقیقات کرائی جائے تو حکومت کو معلوم ہوگا کہ یہ کمپنی اب تک ملک کو کس قدر نقصان پہنچا چکی ہے۔ لیکن اس کے لئے احتیاط اور پیش بندی لازمی شرط ہے۔ کیونکہ کمپنی کے مالک اور دوسرے اہم "ملازمین" باخبر اور چالاک ہیں۔ تحقیقات کی سُن گُن لگتے ہی جنگلی بھیڑیے کی طرح ہوشیار اور چوکنا ہو جائیں گے۔

اِس کمپنی کے مالک یا منیجنگ پروپرائٹر کا ایک رہائشی مکان محمد علی سوسائٹی میں ہے۔ موصوف کا مکان ان کی ہیرا پھیری کا رازدار ہے آہنی الماریوں اور خفیہ تہہ خانوں میں اِس کمپنی کے ایسے راز دفن ہیں جن کے افشا ہونے کے بعد زرِمبادلہ کی چوریوں کی بے شمار داستانیں منظرِ عام پر آ سکتی ہیں۔ اگر اِس کمپنی کے دفتر پر چھاپہ مارا جائے تو شاید ہی ایسی کوئی چیز ہاتھ لگے، جس سے اِس کمپنی کی قومی خیانت اور بددیانتی کا ثبوت فراہم ہو سکے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ پروپرائٹر اپنے دفتر میں ایسی کوئی چیز نہیں رکھتے جس سے ان کے جرم کا پتہ چل جائے۔ خاصے محتاط اور دور اندیش ہیں۔ ہاں اگر ان کے محمد علی سوسائٹی والے مکان پر اچانک اور غیر متوقع چھاپہ مارا جائے اور خانہ تلاشی لی جائے تو بہت کچھ برآمد ہو سکتا ہے۔

احوالِ واقعی

صدر بھٹو نے
پانچ ہزار مربعہ میل کا رقبہ واپس لے لیا تھا



حزبِ اختلاف نے بھارت کو تقویت پہنچائی ہے

واقفِ حال کے قلم سے

بھارت کی طرف سے فوجوں کی واپسی میں مزید تاخیر ہو رہی ہے ——!

معاہدۂ شملہ —— میں صدر بھٹو نے اپنی دانشمندی اور تدبیر سے جس طرح پانچ ہزار میل کا علاقہ واپس لے لیا تھا اسے ہمارے حزبِ اختلاف کے بے تدبیر رہنماؤں نے اپنے جنونی بیانات کے ذریعے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ معاہدۂ شملہ کے بعد جولائی کے پہلے ہفتے سے اب تک جس دیوانگی اور جنون کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اس سے اور کچھ ہو نہ ہو بھارت کو یہ اندازہ ضرور ہوا ہے کہ ابھی پاکستانی قوم انتشار کا شکار ہے اس پر مزید دباؤ ڈالا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ صدر بھٹو پر پوری قوم کو اعتماد نہیں ہے۔ ولی خان —— جو ویسے تو معاہدۂ شملہ کی حمایت کرتے ہیں اور بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے حق میں ہیں لیکن اپنے انٹرویوز میں وہ بھارتی اخبار نویسوں کو یہ بھی بتا رہے ہیں کہ بھارت صدر بھٹو پر کیسے اعتماد کر سکتا ہے وہ تو ایک ہزار سال تک جنگ لڑنے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ بایاں بازو ہے جو بظاہر تو ہندوستان سے دوستی اور معاہدۂ شملہ کے حق میں ہے لیکن اس کے لیے وہ بھٹو سے زیادہ کارآمد، مفید اور باعتماد اپنے آپ کو بتاتا ہے۔ دوسری طرف دایاں بازو ہے جو بظاہر ہندوستان کا مخالف اور معاہدۂ شملہ کے خلاف ہے۔ لیکن وہ بھی بھٹو کو راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بھٹو بھارت کے ہاتھوں پاکستان کو فروخت کر آیا ہے۔

ایک حالیہ انٹرویو میں نوابزادہ نصراللہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "ہمارے نزدیک مشرقی پاکستان کے مقابلہ میں مغربی پاکستان کے پانچ ہزار میل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

نوابزادہ کا یہ بیان سراسر فریب اور قوم کو بیوقوف بنانے کے لیے ہے —— بنگلہ دیش اس سرزمین کے مالک بنگالیوں کے پاس ہے۔ وہ خود اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ انہیں ہندوستان اور روس کے زیرِ تسلط رہنا ہے یا اپنی تقدیر اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ اب وہاں کوئی غیر ملکی فوج نہیں۔ اس وقت تمام رجعت پسند اور ولی خان بنگال میں ان طاقتوں کی حمایت کر رہے تھے جو بنگال کو بالآخر علیحدگی کی طرف لے جا رہی تھیں۔

بھارت نے پاکستان کے انتشار کا اندازہ لگا لینے کے بعد اب فوجوں کی واپسی میں مختلف بہانوں سے تاخیر شروع کر دی ہے جس کا مقصد اپنے ہاں عوام کو خوش کرنا اور ادھر پاکستان پر دباؤ ڈال کر مزید شرائط منوانا ہے اور دوسرے پاکستان کی موجودہ حکومت کو عوام کی نظروں میں غیر مقبول بھی کرنا ہے۔ بھارت کا یہ رویّہ اختیار کرنے کی ذمہ داری سراسر اپوزیشن کے لیڈروں پر ہے جنہوں نے بھارت جیسے حریف کے مقابلے میں بھی حکومت کے ساتھ ہونا ضروری نہیں سمجھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت پاکستان نہ تو کسی بیرونی دشمن سے جنگ کا متحمل ہو سکتا ہے اور نہ اندرونی طور پر کسی سیاسی محاذ آرائی کا؟ اگر باقی ماندہ ملک کی علاقائی سالمیت عزیز ہے اور اسے محفوظ رکھنا ہے تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ ہے جذبات کے راستے سے ہٹ کر، حقیقت کا سہارا لے کر اپنی معیشت کو مضبوط کرنا! عوام کے مسائل بڑھ چکے ہیں۔ بے روزگاری، بھوک اور افلاس نے عوام میں بے چینی پھیلا رکھی ہے۔ دفاعی افواج کو بھی سرمائے کی ضرورت ہے۔ اگر ملک میں کوئی پیداوار نہیں ہو گی تو دفاعی افواج کی ازسرِنو تنظیم کیسے ہو گی؟ اور اگر ہماری حزبِ اختلاف جنگ ہی کرنا چاہتی ہے تو جنگ خالی الفاظ سے تو نہیں ہو گی؟ یہ باتیں لکھنے کی نہیں ہیں ورنہ ہمارے سابق جرنیل جس طرح دفاعی بجٹ کو اپنی آسائشوں پر خرچ کر چکے ہیں اس کے بعد ہمارے عام سپاہی کو ڈھنگ کی وردی بھی ملنا مشکل ہو گئی ہے۔ کیا ہماری حزبِ اختلاف نے ان سرمایہ داروں کی مذمت میں ایک لفظ کہا ہے جو اپنا سرمایہ دھڑا دھڑ ملک سے باہر منتقل کر رہے ہیں، پیداوار میں جان بوجھ کر رکاوٹ ڈال رہے ہیں صنعت تقریباً مفلوج ہو گئی ہے۔ کیا اپوزیشن کے لیڈروں کو اس کا احساس ہے کہ اس کا مقصد ملک کو کمزور کرنے کے سوا اور کیا ہے؟ وہ طبقہ جو تجارت سے خاندانی طور پر وابستہ ہے، اپنے پورے خاندانوں کو باہر منتقل کر رہا ہے۔ اس وقت جنگ کے نعرے بلند کر کے قوم میں جنون پیدا کرنا دراصل قوم کے مسائل کو حل طلب رہنے دینا، بے چینی کو جاری رہنے دینا ہے —— اس سے ممکن ہے کہ حزبِ اختلاف کو یہ فائدہ ہو کہ احتجاجی

الفتح

چاروں صوبوں کی صوبائی خود مختاری کا فیصلہ جلد کیجیئے

مظاہروں کے بعد موجودہ حکومت ایک طرف ہو جائے، لیکن اس سے فائدہ کس کو ہوگا ——— صرف بھارت کو ——— ! کیونکہ پاکستان میں نہ تو کوئی مضبوط فوج باقی رہی ہے۔ جو آگے بڑھ کر حکومت سنبھال لے اور نہ ایسی مضبوط سیاسی پارٹی موجود ہے جو اس کی جگہ لے سکے۔

سیاسی طور پر تجزیہ کیجیئے۔ اس وقت ہمارا سب سے بڑا قومی مسئلہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا ہے۔ سرحد اور بلوچستان کی حکومتیں بھی اس کے حق میں اور عوام بھی! بھارت سے جنگ ان لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس طرح سندھ اور پنجاب کی حکومتیں بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے حق میں ہیں۔ کراچی کے کچھ عوام اور پنجاب کے عوام کا کچھ حصہ اس کے حق میں نہیں ہے۔ بھارت سے جنگ اب سندھ میں بھی کوئی نہیں چاہتا۔ صرف پنجاب رہ جاتا ہے۔ جہاں بھارت سے جنگ کا نظریہ مل سکتا ہے۔ لیکن ۱۹۶۵ء کے بعد از جنگ جذبات اور ۱۹۷۱ء کے بعد از جنگ جذبات میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ ایک لاکھ جنگی قیدیوں کے متاثرہ خاندانوں میں سے نوّے فیصد کے قریب صرف پنجاب سے ہیں۔ ان نوجوانوں کو اپنی کا منطقی نتیجہ ——— جو بہر صورت و بہر حال برآمد ہوگا اسے ولی خان، طفیل محمد اور نصراللہ وغیرہ نہیں روک سکتے۔ جنگی قیدیوں کے خاندانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ انہیں یہ بھی احساس ہو گیا ہے کہ بنگلہ دیش کی پاکستان میں دوبارہ شمولیت کا کوئی امکان نہیں ہے بلکہ یہ تلخ احساس ہو گیا ہے کہ ہمارے بیٹوں کو بلا وجہ ۱۹۷۱ء میں قربانی کا بکرا بنایا گیا تھا۔ اس وقت کی حکومت بھی مشرقی پاکستان کو ساتھ رکھنے کے لیے مخلص نہیں تھی۔ ان محسوسات کے بعد ہی جنگی قیدیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کے لبوں پر "بنگلہ دیش" تسلیم کرو"، کا نعرہ ابھرا ہے۔ یہ نعرہ اگر اسلام آباد کے بعد راولپنڈی، جہلم، گجرات کیمبل پور، تلہ گنگ، ہزارہ اور میانوالی سے بھی بلند ہوا تو اس سے زیادہ رقّت انگیز منظر کوئی نہ ہوگا۔ ان ماؤں بہنوں اور بیٹیوں نے ہمیں وہ نوجوان دیئے جو وطن کے لیے دیوار بن گئے۔ مگر ہم نے انہیں کیا دیا؟ چند آنسو، چند خواب، چند نعرے اور چند وعدے، جو آج تک پورے نہ ہوئے ——— !

بھارت اس ساری جذباتی صورتِ حال سے فائدہ ئے ساتھ ساتھ ثقافتی اور سیاسی نظریات کا سیلاب آئے گا تو اس میں ہمارے بہہ جانے کے کئی فیصد امکانات ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ زیادہ عرصے تک اپنے پڑوس سے اپنے آپ کو الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن اپنے ہاں ایک سوچ تو پیدا کر سکتے ہیں۔ "بنگلہ دیش" کو تسلیم کرنے سے پہلے ——— صوبائی خود مختاری کی شرح کا تعین انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ خود مختاری کے تعین کے بعد یہ خطرہ نہ رہے گا کہ بنگلہ دیش کی طرح کوئی دوسرا صوبہ بھی آزادی کی آواز بلند کر سکے۔ دوسرے پورے ملک میں ایک سوچ، ایک نظریہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام کے آپس میں ملنے جلنے اور قریب آنے کے لیے مزدوروں، کسانوں، دانشوروں اور طالب علموں کے مختلف علاقوں میں، بین الصوبائی کنونشن منعقد کیے جائیں سیاسی محاذ آرائی کو ختم کیا جائے۔ بے روزگار نوجوانوں کو تعمیری منصوبوں میں مصروف کیا جائے۔

اس ملک کو اگر متحد کر سکتے ہیں اور ایک سوچ آ سکتی ہے تو مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور دانشوروں کے اتحاد اور ہم آہنگی سے! سرمایہ داروں، جاگیرداروں کا تو ہمیشہ اتحاد رہا ہے۔ مگر ان کا اتحاد ملک کو انتشار سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔ کیونکہ ان کا اتحاد ملک کے انتشار کے لیے ہی تھا ——— سو اس کا نتیجہ نکل آیا ——— ؟

صدر بھٹو اگر اس ملک کو بچانا چاہتے ہیں تو وہ سیاست دانوں، سرمایہ داروں، جاگیرداروں کی بجائے مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور دانشوروں سے حسبِ سابق رشتہ جوڑیں ——— اور ملک بھر کے دورے کریں۔ اپنی پہلی جدوجہد کی طرح سرحد، بلوچستان، سندھ اور پنجاب میں جا کر عوام سے رابطہ قائم کریں ——— تو یہ باقی ماندہ پاکستان ایک اکائی کے طور پر رہ سکے گا۔ ورنہ ملک دشمن قوتیں انتہائی مضبوط ہو چکی ہیں۔ خود ان کی حکومت اور پارٹی میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اگر عوام سے رابطہ قائم نہ رہا تو وہ دوسرے ملکوں سے اپنی تدبیر اور دانشمندی سے جو کچھ طے کریں گے اس پر ہمارے ملک کی عوام دشمن قوتیں کوئی عملدرآمد نہ ہونے دیں گی!

تاجر اپنے خاندانوں کو غیر ممالک میں منتقل کر رہے ہیں

ماؤں، بہنوں، بیویوں، بیٹیوں اور بیوٹوں سے بچھڑے ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ مشرقی پاکستان میں ان کی تقرری مارچ ۱۹۷۱ء میں ہی ہو گئی تھی۔ جدائی کا زخم گہرا ہو رہا ہے۔ پھر یہ قربانی لاحاصل بھی نظر آ رہی ہے۔ پنجاب میں، جس میں ہمیشہ پاکستان کے لیے قربانی دی ہے، اب کے بھی اس علاقے اور جوان بیٹے دشمن کے قبضہ میں ہیں۔ سب سے زیادہ جانیں بھی وطن کے لیے اس نے قربان کی ہیں۔ اس علاقے کے خلاف سرحد، سندھ اور بلوچستان سے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ ایسے حالات میں پنجاب میں کب تک یہ قربانیاں دیے کا جذبہ باقی رہے گا۔ یہ انتہائی تلخ حقائق ہیں۔ لیکن حالات و واقعات اٹھائے گا ——— اور عنقریب وہ پاکستان سے ایران اور پاکستان سے افغانستان تک تجارت کے لیے ایک "CORRIDOR"، راستہ مانگنے والا ہے جو یقیناً دیا جائے گا۔ کیونکہ ایران اور افغانستان ہمارے دوست ہیں لیکن اس تجارتی آمد و رفت سے ہمارے عوام پر کیا اثر پڑے گا ہم اب تک اپنے ہاں "پاکستانیت"، کا جذبہ تو پیدا نہیں کر سکے۔ ہمارے ہاں صوبائی سطح پر محاذ آرائی جاری ہے۔ "پاکستانی"، کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہم ایک جغرافیائی اکائی ضرور ہیں لیکن سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی اکائی نہیں۔ بنیادی قومی نظریات پر ہماری سوچ مختلف ہے۔ ایسے میں جب تجارتی آمد و رفت

الفتح



ذاتی پرچے "شہاب"
کے واجبات کے لئے
سرکاری دباؤ



وزارتِ اطلاعات
صدر بھٹّو کا کردار مسخ کر رہی ہے

الفتح رپورٹ

لیجئے! پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

قابلِ احترام وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی پر وفاقی انجمن صحافیانِ پاکستان کے دو عہدیداروں نے جو تنقید کی تھی، مولانا نے اس کا جواب بھی دے دیا تھا۔ لیکن چند ایک صحافیوں کی طرف سے بھی اس کا جواب ضروری تھا۔ اس کے لئے بدنامِ زمانہ این۔ یو۔ جے وزیر اطلاعات کے کام آگئی۔ لاہور کے چند صحافیوں بشیر قریشی، فاروق نثار اور سلیم بیگ وغیرہ نے وزیر اطلاعات کو ایسے تمام الزامات سے بری کر دیا ہے اور کہا ہے کہ پی۔ ایف۔ یو۔ جے صحافیوں اور وزیر اطلاعات کے درمیان نفرت پھیلا رہی ہے۔

بشیر قریشی آج کل ہپیوں جیسے بال رکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی بشیر قریشی ہیں جنہوں نے لاہور میں ایک مرتبہ بھٹو صاحب سے فقرے بازی کی تھی، جس پر انہوں نے پی۔ پی۔ آئی کو فکس اپ کی دھمکی دی تھی۔ بشیر قریشی لاہور پی پی آئی کے بیورو چیف ہیں۔ اقتدار میں آنے سے پہلے بھی بشیر قریشی نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے بھٹو صاحب کے خلاف خبریں چلائیں۔ برسرِ اقتدار آنے کے بعد بھی صدر بھٹو، پیپلز پارٹی اور پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف جتنی خبریں پی پی آئی سے جاری ہوتی ہیں ان میں اکثریت بشیر قریشی کے بیورو سے جاری ہوئی ہیں —— اب وہی بشیر قریشی، مولانا کوثر نیازی کی حمایت کے لئے میدان میں اترآئے ہیں۔ فاروق نثار صاحب کے بارے میں کچھ نہ پوچھیے۔ بے شمار کہانیاں ہیں۔ سلیم بیگ صاحب پر وزارتِ اطلاعات خاص طور پر مہربان ہے۔ انہیں شملہ اس نظرِ کرم کے تحت لے جایا گیا تھا۔ اس کا شکریہ صرف اسی طرح ادا کیا جا سکتا تھا۔

مولانا کوثر نیازی مدظلہ العالی آج کل تمام اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کو اپنی ذاتی پبلسٹی کے لئے جس طرح ہدایات جاری کر رہے ہیں۔ اور اخبارات کے نیوز پرنٹ بحال کرنے، خبر رساں ایجنسیوں کی ریڈیو، ٹیلی ویژن سروس بحال کرنے کی شرط صرف یہی ہے کہ وزیر اطلاعات و نشریات کی صدر عالی مقام سے زیادہ تشہیر کی جائے۔ آج کل وزیر اطلاعات و نشریات اور وزارت اطلاعات و نشریات کی طرف سے جتنی ہدایات آتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر وزیر اطلاعات کی تصاویر اور خبروں کے بارے میں ہوتی ہیں۔ اب اگر بشیر قریشی صاحب نے بھی مولانا کوثر نیازی کے حق میں بیان دے دیا ہے تو اس سے ریڈیو، ٹیلی ویژن کی سروس تو بحال ہو جانی چاہیئے۔

وزیر اطلاعات و نشریات پیپلز پارٹی میں کس گروپ کی نمائندگی کرتے ہیں، یہ اکثر لوگوں کو معلوم ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہمیں ان کے ماضی سے کوئی سروکار ہے۔ کیونکہ ان کا ماضی لوگوں پر اچھی طرح واضح ہے ان کے ماضی کو عوام نے اسی لئے معاف کر دیا تھا کہ وہ مزدوروں

Legal/A

IMMEDIATE

GOVERNMENT OF PAKISTAN
DEPARTMENT OF FILMS AND PUBLICATIONS

..5- -Advt. Karachi dated 19th May 1972

Dear Agency/Organization,

The Urdu Weekly " SHAHAB ", Lahore, has approached this Department for the recovery of outstanding dues from various Advertising agencies/Organizations in respect of advertisements published in it.

2. According to the information furnished by the Weekly " SHAHAB ", the amount due shown against your agency is Rs.________ as per details attached, herewith.

3. We shall be grateful, if you would kindly look into the matter personally and ensure that the outstanding dues in question are settled immediately. In case you may require any other details, you may please contact the Accountant, Weekly " SHAHAB ", Lahore directly. This needs your immediate attention.

Yours faithfully,

(A. M. MUKHTAR)
ASSISTANT DIRECTOR (ADV)

محکمہ فلمز و مطبوعات نے ایجنسیوں کو حکم دیا کہ "شہاب" کے واجبات فوراً ادا کئے جائیں۔

مولانا کوثر نیازی کو این۔ یو۔ جے کی حمایت حاصل ہوگئی

کسانوں کی جدوجہد میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن اب بات کھل گئی ہے کہ وہ محض استحصال اور اقتدار کے لئے اس جدوجہد میں شامل ہوئے تھے۔ جب یحیٰی خان اپنے دور کی آخری رسوم ادا کر رہے تھے اس وقت انہوں نے ایک اپنی مرکزی کابینہ بنانے کے متعلق بھی سوچا تھا۔ خبر گرم تھی کہ اس میں بھی مولانا کوثر نیازی شریک کئے جانے والے تھے۔ اس بدگمانی کی وجہ سے

[redacted] I wish to God people would stop dragging [redacted]d forces and particularly the Army in politics. Enough blame has been piled up on the good name of the Army by the politicians. Everyday we hear sermons that the Army should keep out of politics. Then why do others drag Army in it? What was the need of dramatising the reasons of retrenchment of six senior officer of the Army when it has been the tradition that proceedings of the Court of Enquiries and Court Martials etc., in the armed forces are never published.

Why are we everyday insulting the intelligence of the public? Court of Enquiry is exactly what it is: an enquiry court. When the fault or crime is established by it, then on serious charges Court Martials are held. If the charges on these officers are as serious as given out, they should have been court Martialed, dismissed, or even given sentences of imprisonment; because inciting a civil war of mutiny is one of the most serious charges you can attribute to a soldier. If it was a conspiracy, in which others than purely soldiers were also involved(as reported in the press) then it should have been dealt with like the first Conspiracy Case of 1951. Bonapartism, conspiracies must not be dealt with in the manner that they have been dealt with. You cannot honorarily retire officers and appoint them Ambassadors under these charges.

General Niazi's letter was given front page publicity, and yet it is the same man who has been charged with a humiliating surrender in Dacca and this surrender was publicised as a result of the "decisive defeat". Would this letter have been released and orders issued for front page publicity if its contents had been of different nature?

We soldiers have a right to demand that an end must be put to dragging the good name of the Army in politics in a manner in which only bring it a bad name and disrepute. We have had enough of it. Please stop it. People laugh at the inconsistency being demonstrated everyday. One day it is a brave and honourable soldier and the other day he is hatching conspiracies.

نواب زادہ شیر علی خان کا بیان جو محکمہ اطلاعات نے جاری کیا۔

مولانا کو صدر بھٹو نے شروع شروع میں اپنی کابینہ میں شریک نہیں کیا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے مختلف حلقوں سے دباؤ ڈلوایا اور خاص طور پر مالکان اخبارات جو اس وقت کے وزیر اطلاعات و نشریات عبدالحفیظ پیرزادہ سے تنگ آگئے تھے اور ۱۹۷۰ء کی ہڑتال کے شکار صحافیوں کی بحالی کے سلسلے میں پیرزادہ صاحب کے دباؤ کے خلاف تھے۔ اور ایک اخبار نے تین صحافیوں کو آخر تک نہیں رکھا تھا۔ ان ہی مالکان اخبارات نے مولانا کے حق میں لابی چلائی، بعض اخبارات نے تو اداریے بھی لکھ دیئے کہ "صدر بھٹو اپنی اے ٹیم لائیں" ——— سو ایک روز یہ خبر سننے میں آئی کہ مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات و نشریات مقرر کر دیئے گئے

اپنی وزارت کے زمانے میں مولانا کوثر نیازی نے جس طرح دائیں بائیں خنجر چلائے ہیں اور اپنی ذات کو مستحکم بنانے، اپنے آپ کو صدر بھٹو کے بعد دوسری پوزیشن دینے کے لئے جس طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات کو استعمال کیا وہ سب کے سامنے ہے۔ اخبارات بند کرنے، ایڈیٹروں کو گرفتار کرنے، نیوز پرنٹ روکنے کی کارروائیاں انہی کے دور میں ہوئیں۔ اس طرح صدر بھٹو کی حکومت کو بدنام کیا گیا۔ کہ یہ حکومت صحافت پر آمرانہ دباؤ ڈال رہی ہے۔

مولانا کارکن صحافی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وزارت اطلاعات نے صحافیوں کی بحالی کے سلسلے میں باقیماندہ صحافیوں کے لئے جو سہ فریقی کمیٹی بنائی تھی جس میں وزیر اطلاعات، مالکان اخبارات کا نمائندہ اور پی ایف یو جے کا نمائندہ شامل تھا۔ اس کا اجلاس آج تک نہیں ہو سکا۔ حفیظ پیرزادہ نے اپنے دور میں تین چار صحافیوں کے علاوہ سب صحافیوں کو ملازمتوں پر بحال کروا دیا تھا۔ مگر نئے وزیر اطلاعات کے دور میں ایک بار بھی ایسا اجلاس نہ ہوا اور کبھی ذکر تک نہ کیا گیا بلکہ ان کے دور میں سرکاری خرچ پر مالکان اخبارات کیلئے پنڈی، کراچی لاہور کے درمیان ہوائی سفر اور پنڈی میں قیام کی عیاشی کا فراخدلانہ اہتمام کیا گیا۔

وزارت اطلاعات ناجائز طریقے سے پیسے کماتی رہی ہے عوامی حکومت کے قیام کے بعد اس میں خاصی کمی آگئی تھی مگر کچھ عرصے سے وزارت اطلاعات کے بجٹ کا دونوں ہاتھوں سے صفایا ہو رہا ہے۔ ایسی ایسی کہانیاں سننے میں آتی ہیں کہ الامان الحفیظ۔

بے چارے صدر بھٹو دن رات جس طرح پاکستان کی بنیادیں مستحکم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خود تنخواہ وصول نہیں

کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر کوشش کرتے ہیں کہ سرکاری خزانے سے کم پیسہ خرچ ہو۔ وہ اپنے پاس سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ صدر بھٹو جس معاشرے کے قیام کے لئے کوشاں ہیں وہ ہر استحصال سے آزاد ہے۔ اس میں استحصال نہ مذہب کے نام پر ہوگا۔ نہ قوم کے نام پر، نہ اسلام کے نام پر، نہ ملک کے نام پر ـــــ ان کی جدوجہد یہ ہے کہ سرکاری وسائل و ذرائع ذاتی منفعت کے بجائے قومی مفادات کے لئے استعمال ہوں۔ ایسے معاشرے کے قیام کے لئے انہوں نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے۔ بڑے مصائب سہے ہیں۔ لیکن ان کے اکثر وزرائے کرام اپنی وزارتوں اور سرکاری خزانے کو اسی طرح استعمال کر رہے ہیں جیا ایوب خان کے وزراء کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا کوثر نیازی ـــــ عالم دین ہیں۔ تاریخ اسلام سے انہیں گہری آگاہی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین تھے۔ وہ جب ذاتی کام کرنے لگتے تو سرکاری چراغ گل کر دیا کرتے تھے۔ ہفت روزہ شہاب ـــــ سرکاری پرچہ نہیں ہے۔ چند افراد کی ذاتی ملکیت ہے۔ مگر یہ کیا کہ سرکاری خزانے سے چلنے والے محکمہ فلم اور مطبوعات کی طرف سے سرکاری کاغذات پر ایک سرکلر مختلف ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو جاتا ہے کہ ہفت روزہ "شہاب" نے ہم سے رجوع کیا ہے۔ مندرجہ ذیل کمپنیوں کی طرف اس کے واجبات ہیں وہ فی الفور ادا کر دیئے جائیں۔ اس سرکلر کو یا ہمیں بتایا جائے کہ کیا صورت حال ہے"۔ یہ محکمہ فلم و مطبوعات کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر ہے تو بتایا جائے تاکہ دوسرے اخبارات و رسائل بھی اپنے واجبات کی وصولی کے لئے یہ طریقہ اختیار کریں۔ یہ صرف اپنے عہدے کا ناجائز استعمال ہے کہ چونکہ وزارت اطلاعات میسر آگئی ہے اس لئے اپنے پرچے کے واجبات بھی اب سرکاری طور پر وصول کئے جائیں

ہفت روزہ شہاب ایک زمانہ میں ساٹھ ستر ہزار تک شائع ہوا ہے۔ آج کل ایک دو ہزار سے زیادہ نہیں شائع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے نیوز پرنٹ کا

باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں

بلا تبصرہ

مسٹر بھٹو کو قوم سے معافی مانگنی چاہیے (مولانا کوثر نیازی)

مسٹر بھٹو نے رسولِ خدا کی شان میں شرمناک گستاخی کی ہے (کوثر نیازی)

ممتاز عالم دین مولانا کوثر نیازی نے ایک بیان میں مسٹر بھٹو کو مشورہ دیا ہے کہ وہ سوشلزم کے بارے میں اپنے نظریات کی حمایت میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا نام استعمال کرنے سے گریز کریں۔ مسٹر بھٹو کی بعض حالیہ تقریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ مسٹر بھٹو اقتدار سے علیحدہ ہونے کے بعد جو غیر ذمہ دارانہ باتیں کر رہے ہیں۔ ان کی ایک بدترین مثال ان کی وہ تقریر ہے جس میں انہوں نے پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ کہا ہے کہ سوشلزم کی عمارت کا پہلا پتھر خود آپ نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔ مولانا کوثر نیازی نے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ مسٹر بھٹو کی اس جسارت کی انتہا یہ ہے کہ ایک مقامی روزنامہ کی اطلاع کے مطابق اس تقریر میں آگے چل کر یہ کہا گیا ہے کہ ہم اس جمہوری سوشلزم کے قائل ہیں جو مشرقی یورپ کے کئی ممالک میں کامیابی سے چل رہا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں جو نظام اس وقت مشرقی یورپ میں چل رہا ہے۔ یہ وہی نظام ہے جس کی بنیاد خود پیغمبر اسلام نے رکھی تھی۔ مولانا کوثر نیازی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک مسٹر بھٹو کا یہ بیان نہ صرف اسلام سے انتہا درجے کی ناواقفیت کا ثبوت ہے بلکہ ساتھ ساتھ رسول خدا کی شان میں ایک افسوسناک اور شرمناک گستاخی بھی ہے جسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جن لوگوں نے بھی اسلام اور سوشلزم کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام اور سوشلزم دو الگ الگ نظریہ حیات ہیں اور خود مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی کے منشور کی دستاویز نمبر ۴ کے صفحہ نمبر ۱ پر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ جدید سوشلزم کے نظریات دراصل پچھلی دو صدیوں کے تجربات کے نتیجے میں اخذ کئے گئے ہیں اور یہ پچھلی دو صدیوں کے معاشی جدوجہد پر حقیقت پسندانہ اور سائنٹیفک تحقیق کو بروئے کار لا کر حاصل کئے گئے ہیں۔

اس کے بالمقابل ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام کا مجموعی نظام یا کوئی حصہ گزشتہ دو چار یا دس صدیوں کے تجربات کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ اصول و اقدار ہیں جو زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہیں اور کسی مارکس یا لینن اور اینجلز کی فکری کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ خاص کائنات کی بارگاہ سے وحی کے ذریعے سے عطا ہوتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی نے کہا ہے کہ میں مسٹر بھٹو کو دردمندانہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنا سیاسی کھیل کو جس رنگ میں چاہیں جاری رکھیں لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام کے مقدس نام کو اس جنگ زرگری میں استعمال کرنے کی کوشش سے باز رہیں۔ مسٹر بھٹو کے لئے بہتر ہے کہ وہ سیاست دان بننے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اسلامیان پاکستان اپنے مذہب اور پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کریں گے۔

(روزنامہ مشرق، امروز ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء)

جامع مسجد شاہ عالم مارکیٹ (لاہور) میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا کوثر نیازی نے علمائے کرام کو خراج عقیدت پیش کیا جنہوں نے متفق ہو کر کلمہ حق ادا کیا اور اس طرح بھٹو صاحب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پاکستانی عوام حصولِ اقتدار کی کوششوں میں اسلام کا استحصال برداشت نہیں کر سکتے۔ اب ان کے لئے صرف یہی چارہ کار باقی ہے کہ وہ اس گستاخی پر پوری قوم سے واضح الفاظ میں معافی مانگیں۔

مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ سوشلزم کے مادہ پرستانہ ذہن کو اسلام کے مترادف قرار دینا نہ صرف اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے بلکہ خود جدید علوم سے آگہی کا بھی کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔ مسٹر بھٹو کو سیاست کے مشغلے کی خاطر دین کے شارح اور ترجمان بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اور آئندہ مختلف موضوعات پر لب کشائی کرنے سے پہلے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ قوم اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتی۔ انہوں نے کہا کہ سوشلزم جو مشرقی یورپ کے ملکوں میں رائج ہے اور جس کے گن آج بھٹو صاحب گا رہے ہیں سراسر مادیت اور لادینی تصورات پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس اسلام مادیت اور روحانیت کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ مسٹر بھٹو کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس دور میں بھی دینی اقدار کے محافظ اور امین زندہ ہیں اور وہ ہر ایسی جسارت کا جواب دینے کی ہمت اور طاقت رکھتے ہیں جس کا مقصد مذہب اسلام کو مسخ کرنا ہو۔

(روزنامہ مشرق و امروز ۳ فروری ۱۹۶۸ء)

صحافیوں اور حکومت کے خلاف

وزارتِ اطلاعات کی سازش

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے رہنماؤں کا یہ بیان صحافی اور عوام دشمن معظم علی کی خبر رساں ایجنسی "پاکستان پریس انٹرنیشنل" نے ۹ ستمبر کی سہ پہر کو کریڈ کیا۔ لیکن بعد میں اسے "KILL" کر دیا۔ کیونکہ اس خبر کے کریڈ ہونے سے سرکاری امداد بند ہونے کا خطرہ تھا۔ یہ بیان کراچی میں صرف "ڈان" اور "سن" نے شائع کیا لیکن مولانا کوثر نیازی کا تردیدی بیان تمام اخبارات نے شائع کر کے صحافتی اصولوں کو پامال کر دیا۔ کیونکہ جن اخبارات نے "پی ایف یو جے" کا بیان شائع نہیں کیا تھا انہیں تردیدی بیان شائع کرنے کا کیا حق تھا؟ (ادارہ)

کراچی ۹ ستمبر۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے نائب صدر جناب سلیم علوی اور سیکرٹری جنرل جناب منہاج برنا نے اپنے مشترکہ بیان میں مرکزی وزارتِ اطلاعات پر الزام لگایا ہے کہ وہ ایماندار، آزاد اور محبِ وطن صحافیوں اور پریس ورکرز کی چھانٹی کے منصوبے بنا رہی ہے تاکہ پریس کو مفلوج اور پریس ورکرز، ٹریڈ یونینوں اور خصوصاً پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا جا سکے اور پھوٹ ڈالی جا سکے۔ مشترکہ بیان میں پی ایف یو جے کی رہنماؤں نے صدر بھٹو سے اپیل کی ہے کہ وزارتِ اطلاعات کی پریس دشمن پالیسیوں کی تحقیقات اعلیٰ سطح پر کرائی جائے۔

بیان میں درج ہے ——— "ہمیں یہ جان کر صدمہ ہوا ہے کہ وزارتِ اطلاعات کے کنٹرول میں شائع ہونے والے روزناموں "مساوات" "پاکستان ٹائمز" "امروز" اور "مارننگ نیوز" سے سینئر صحافیوں کو نکالنے کے لیے ایک فہرست تیار کی گئی ہے۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وزارتِ اطلاعات اخباری صنعت کے کارکنوں کے اتحاد میں روز افزوں اضافہ اور پی ایف یو جے کے آزاد اقدامات مثلاً ۲۴ جولائی کو روزنامہ "سن" کے ملازمین کی حمایت کے سلسلے میں ملک گیر ہڑتال کی بناد پر یہ کارروائی کر رہی ہے ———!"

یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کوثر نیازی کی سربراہی میں وزارتِ اطلاعات، نوکر شاہی کے بعض گرگوں اور ایک یا دو خفیہ ہاتھوں سے گٹھ جوڑ کر کے عوامی حکومت کو صحافیوں اور اخباری کارکنوں میں بدنام کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈی نینس کے تحت کارروائیاں کی گئی ہیں اور۔ اس طرح حکومت اور اخباری کارکنوں کے تعلقات خراب کرنے کی مکروہ کوشش کی گئی۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کا ایوبی ڈھانچہ، غیر جمہوری انداز میں برقرار ہے اور اس ضمن میں پی ایف یو جے کے مؤقف کو غلط طور پر پیش کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کی ملک گیر ہڑتال کے دوران برطرف کیے جانے والے باقی ماندہ صحافیوں کی بحالی کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ نیوز پرنٹ اور سرکاری اشتہارات کی تقسیم کی موجودہ پالیسی غیر منصفانہ ثابت ہوئی۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے ایڈیٹروں اور انتظامیہ کے معاملات میں وزارتِ اطلاعات کی ظالمانہ مداخلت اور یکطرفہ اقدامات اور "پریس ایڈوائس" کے طریقے جاری ہیں۔"

"پی ایف یو جے یقیناً صدر بھٹو اور سابق وزیرِ اطلاعات کی ممنون ہے کہ انہوں نے انتقامی کارروائیوں کا شکار ہونے والے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کو بحال کروایا۔ لیکن اس کے برعکس موجودہ وزارتِ اطلاعات اخباری صنعت اور صحافیوں کے خلاف کارروائی کر کے موجودہ حکومت کے لیے مشکلات پیدا کر رہی ہے یہ عمل قابلِ مذمت ہے ———!"

"وزارتِ اطلاعات مختلف اخبارات اور خبر رساں اداروں کو جس آمرانہ انداز میں حکم دیتی ہے کہ صدر بھٹو کے غیر ملکی دوروں میں کون کون صحافی شامل ہوں گے، ایک ایسی کارروائی ہے جسے اخباری صنعت میں بے رحمانہ مداخلت کہا جا سکتا ہے اور پی ایف یو جے اس پر تشویش کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ متعدد بار وزارتِ اطلاعات نے متعلقہ اخبارات اور خبر رساں اداروں کے ایڈیٹروں کو مطلع کیے بغیر اپنے منظورِ نظر صحافیوں کو نامزد کر دیا۔"

"وزارتِ اطلاعات اے پی پی کے صحافیوں اور دوسرے ملازمین کے حالاتِ کار بہتر بنانے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ یہ ادارہ براہِ راست حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ اور آرڈی نینس کی رو سے حکومت پابند ہے کہ ان ملازمین کے حالات کار بہتر بنائے۔"

"اسی طرح مرکزی وزیرِ اطلاعات نے قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران جو تاثرات پیش کیے ہیں وہ حقائق کے برعکس ہیں۔ وزیرِ اطلاعات نے کہا ہے کہ چند اخبارات مثلاً "آزاد" "کوہستان" اور "جاوداں" اس لیے بند ہو گئے کہ انہیں ملازمین چلا رہے تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ اخبارات چند افراد کی ملکیت تھے جنہوں نے اپنی کمپنیاں قائم کیں۔ ان میں سے ایک اخبار یعنی روزنامہ آزاد کے ڈائریکٹروں میں مولانا کوثر نیازی بھی شامل تھے۔"

"نیشنل پریس ٹرسٹ" کو توڑنے کی مخالفت کرتے ہوئے وزیرِ اطلاعات نے کہا ہے کہ ——— "بائیں بازو کے انتہا پسندوں اور دائیں بازو کے رجعت پسندوں نے گٹھ جوڑ کر لیا ہے تاکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔" اس بیان کے پس منظر میں جو عزائم کارفرما ہیں وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے ایوب شاہی کے نیشنل پریس ٹرسٹ کے اجارہ دارانہ کردار کی کڑی مخالفت کی تھی۔ اور اس میں وزیرِ اطلاعات مولانا کوثر نیازی کا اپنا اخبار "شہاب" بھی شامل ہے۔ اب ہم جاننا چاہیں گے کہ مولانا کوثر نیازی اپنے لیے کون سا مقام پسند کریں گے۔ بائیں بازو کا انتہا پسند دائیں بازو کا رجعت پسند یا موقع پرست؟"

"کوئی بھی شخص وزارتِ اطلاعات کے اس دعوٰی کو سچ قرار نہیں دے سکتا کہ وہ سرمایہ داروں کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وزارتِ اطلاعات نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو حکم دیا ہے کہ سرمایہ داروں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف کچھ نہ کہا جائے۔ کیونکہ سرمایہ داروں نے دھمکی دی تھی کہ اگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے پاکستان پیپلز پارٹی کے اغراض و مقاصد اور منشور کے مطابق پالیسی اختیار کی تو ان پر اشتہارات کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔"

"ہم نیشنل پریس ٹرسٹ کے بارے میں پی ایف یو جے کے مؤقف کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ پی ایف یو جے چاہتی ہے کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کا موجودہ ڈھانچہ توڑ دیا جائے اور پروگریسو پیپرز لمیٹڈ، "مارننگ نیوز"

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں

الفتح



”یہ کھیل نہیں، مذاق تھا“ بھارتی ٹیم کا تبصرہ

ایشیا

کی برتری سازش کے ذریعہ ختم کر دی گئی

الفتح رپورٹ

میونخ میں اولمپک کھیلوں کے دوران یورپ کے نسل پرستوں، تنگ نظروں، سفید فام بھیڑیوں نے بیک وقت ایشیا اور مشرق وسطیٰ کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنا کر ثابت کر دیا کہ وہ آج بھی تیسری دنیا پر اپنا سیاسی اقتصادی اور نام نہاد تہذیبی تسلط برقرار رکھنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ پوری ڈھٹائی اور بے شرمی سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایشیا، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے آزاد اور خود مختار ممالک کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہیں سفید فام نسل کی حیثیت سے اس بات کا لائسنس مل گیا ہے کہ وہ جب چاہیں جہاں چاہیں تیسری دنیا کے ممالک کی آزادی، خود مختاری، عزت نفس اور وقار کو اپنی ٹھوکروں



اسد ملک



منور الزمان

سے پارہ پارہ کر دیں کہ انہیں من مانی کارروائیوں سے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہے۔

اس بار اولمپک کھیلوں کے دوران یورپی ممالک نے تو حد ہی کر دی۔ عرب فدائین کو پہلے اجازت دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہے چلے جائیں مگر بعد میں ائرپورٹ پر اسرائیلی اور جرمن بندوقچیوں کے ذریعہ انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا جس کے ردِ عمل میں فدائین دھماکہ کر کے اسرائیلی کھلاڑیوں کے ساتھ خود بھی اپنی جان سے گذر گئے۔

ٹھیک اسی طرح پاکستان سے عالمی اعزاز چھیننے کے لیے پہلے سے تیار شدہ منصوبے پر عمل کرتے ہوئے انتہائی بوگس اور جانبدار ایمپائرنگ کرائی گئی اور زبردستی عالمی اعزاز کا سہرا مغربی جرمنی کے سر باندھ کر یورپ کا بول بالا بلکہ منہ کالا کر دیا گیا

کھیل کے میدان میں ایشیا کے خلاف یورپ کی سازش یہیں ختم نہ ہوئی بلکہ انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن اور انٹرنیشنل اولمپکس کمیٹی نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ایشیا کو عالمی اعزاز سے ہمیشہ کے لیے محروم کرنے کے لیے پاکستان کی ہاکی ٹیم کو چار سال اور پاکستان کے منجھے ہوئے گیارہ عظیم کھلاڑیوں کو زندگی بھر کے لیے عالمی مقابلوں میں حصہ لینے پر پابندی لگا دی گئی۔ یہ فیصلہ کھیل کے ان سفید فام ٹھیکیداروں نے کیا۔ جو چوالیس سال سے سر توڑ کوشش کے باوجود پاکستان یا بھارت کو شکست دے کر ہاکی کا عالمی اعزاز حاصل نہ کر سکے۔ کھیل کے میدان میں متواتر شکست اٹھانے کے بعد بالآخر سازشوں کے ذریعہ ایشیا کو نیچا دکھانے کا منصوبہ تیار کیا گیا اور جسے بالآخر اس بار میونخ کے اولمپکس گیم میں عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

۱۰ ستمبر کو میونخ میں پاکستان اور مغربی جرمنی کے دوران ہاکی کا فائنل مقابلہ ہوا۔ جرمنی کے کھلاڑی شروع سے آخر تک باڈی پلے اور فاؤل کے ذریعہ پاکستانی کھلاڑیوں کو ہراساں کرنے کی امکانی کوششیں کرتے رہے۔ ارجنٹائن اور آسٹریلیا کے جانبدار ایمپائر، جرمن کھلاڑیوں کے رف کھیل کو قصداً نظر انداز کرتے رہے۔ پاکستان کو زبردستی ہرانے کے لیے پاکستان کے خلاف پانچ پنلٹی کارنر دیئے گئے۔ آخری پنلٹی کارنر میں جرمنی کے لٹھ بردار کھلاڑی پاکستان پر ایک گول کی نام نہاد برتری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کھیل کے دوران ہزاروں پاکستانی اور جرمن تماشائی غلط، بوگس اور جانبدار ایمپائرنگ پر بار بار احتجاج کرتے رہے مگر رنگ و نسل کے نشے میں بدمست ایمپائروں نے تماشائیوں کے صد لئے احتجاج کو کوڑی برابر اہمیت نہ دی اور اپنی جانبداری کا ”عالمی ریکارڈ“ قائم کرنے میں پچھلے تمام ریکارڈوں کو مات کر دیا۔ پاکستانی کھلاڑیوں کو جب بھی کوئی عمدہ موومنٹ ملتا جرمنی کا کوئی نہ کوئی کھلاڑی دھکا دے کر موومنٹ کو ضائع کرا دیتا۔ پاکستانی کھلاڑیوں نے کئی بار احتجاج کیا مگر ایمپائروں نے معمولی وارننگ کے علاوہ کوئی سخت نوٹس نہیں لیا۔ اس کے برعکس پاکستانی کھلاڑی اسد اور شہناز کو باری باری گراؤنڈ سے باہر بھیج کر پاکستانی ٹیم کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔

کھیل ختم ہونے کے بعد بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کے صدر مسٹر فرینک نے تو اسی وقت اپنا فیصلہ سنا دیا کہ پاکستانی ٹیم کو آئندہ دو تین سال کے لیے بین الاقوامی ہاکی سے معطل کر دیا جائے گا، ——— اولمپکس کمیٹی کے ایک ذمہ دار رکن کے اس ریمارکس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایشیا کو عالمی اعزاز سے محروم کرنے کے لیے پہلے ہی سے منصوبہ تیار کر لیا گیا تھا جس کا ثبوت بعد میں بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن اور بین الاقوامی اولمپکس کمیٹی کے مشترکہ فیصلوں سے ملتا ہے

بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن اور بین الاقوامی اولمپکس کمیٹی تماشائیوں اور پاکستانی کھلاڑیوں کے احتجاج پر اس قدر جھنجلا گئی کہ پاکستان کے گیارہ کھلاڑیوں کو تا عمر اور پاکستانی ٹیم کو چار سال تک عالمی مقابلوں میں حصہ لینے سے روک دیا۔

بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کے صدر نے اپنا فیصلہ کارروائی سے پہلے صادر کر دیا

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پاکستانی کھلاڑیوں کے احتجاج سے اولمپکس کی روائتیں متاثر یا مجروح ہوئی ہیں تو امریکہ اور برطانیہ کے ان کھلاڑیوں کے خلاف ایسا ہی سنگین اور احمقانہ فیصلہ صادر کیوں نہیں کیا گیا۔ جنہوں نے بطور احتجاج اپنے گلے میں تمغے ڈالنے سے انکار کیا تھا۔ پاکستان کے خلاف فیصلہ سنانے میں تو کسی تاخیر سے کام نہیں لیا گیا مگر امریکہ اور برطانیہ جیسی بڑی طاقتوں کے خلاف فیصلہ صادر کرنے میں اس قدر احتیاط اور مصلحت کوشی کا ثبوت کیوں دیا گیا۔ کیا اس اقدام سے ایشیا کے خلاف یورپ کی نام نہاد برتری کا تاثر صاف طور پر نہیں جھلکتا؟

بھارتی ٹیم نے فائنل مقابلے پر تبصرہ کرتے ہوئے واضح طور پر کہا :۔ "یہ کھیل نہ تھا محض مذاق تھا"۔ بھارتی ٹیم نے ایمپائرنگ کو بین الاقوامی معیار سے کمتر قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایشیا کو عالمی اعزاز سے محروم کرنے کے لیے جان بوجھ کر کوشش کی گئی۔

اگر اولمپکس کے مذکورہ بالا تمام واقعات کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو آسانی سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بارسلونا میں عالمی کھیلوں کے دوران طے کر لیا گیا تھا کہ آئندہ اولمپکس میں ہاکی کے عالمی اعزاز کا سہرا ہر قیمت پر یورپ کے سر باندھا جائے گا۔ ہاکی کے قریبی حلقوں سے تعلق رکھنے والے بعض لوگوں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ بارسلونا میں بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کے چند ذمہ دار ارکان اعلانیہ یہ کہتے پھر رہے تھے کہ آئندہ ہونے والے مقابلوں میں ایشیا کی برتری ہر قیمت پر ختم کی جائے گی۔

ایشیا کی برتری ختم کر دی گئی۔ اس میں یورپ نے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کیا۔ دعویٰ یہی تھا کہ "ہمارا فرمایا ہوا حرف آخر سمجھا جائے"۔ پاکستانی کھلاڑیوں نے احتجاج کیا تو ان کی ٹیم اور گیارہ کھلاڑیوں کو کھڑے کھڑے سنگسار کرنے کا فیصلہ سنا دیا گیا لیکن فیصلہ سنانے والوں نے حضرت عیسیٰ کے اس فرمان کو حذف کر دیا کہ پہلا پتھر وہ پھینکے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ پاکستان یا ایشیا کے خلاف اس قسم کے ظالمانہ فیصلوں میں جن یورپی ممالک نے حصہ لیا وہ تاریخ کے اٹل فیصلوں سے اپنے آپ کو بچا نہ سکیں گے۔

ایشیا پر یورپ کی برتری زبردستی مسلط کرنے والوں کے سر ایک دن یقیناً ایشیا کے قدموں میں ہوں گے۔ کھیل ہو یا سیاست تیسری دُنیا کے ممالک اپنی آزادی خود مختاری اور وقار کا سودا ہرگز نہیں کریں گے اور وہ ہر حال میں یورپ سے اپنی برتری کا لوہا منوا کر رہیں گے۔

ایم ایم مرزا

نہ ہی باٹا نہ اسکول

"پہلے باٹا پھر اسکول"، کمرشل سروس ریڈیو پاکستان پر چند خوش باش بچے یہ فقرہ یا مصرع گا کر خاموش ہو گئے اور مجھے رنج و غم کے اتھاہ سمندر میں ڈبکیاں کھانے کے لئے تنہا چھوڑ گئے۔ آپ بھی یہی کہیں گے کہ بھلا اس ایڈورٹائزمنٹ کو سُن کر غمگین ہونے میں کیا تک ہے اگر یاسیت سے لُطف اندوز ہونا ہی ہے تو کوئی حُزنیہ گیت یہ کام بخوبی سرانجام دے سکتا ہے یا پھر آداب عرض کی کوئی سچی آپ بیتی پڑھ کے سگریٹ کے مرغولے اپنے اردگرد پھیلا کر معاشرے کی خامیوں پر نہ بہنے والے آنسو پلکوں تک لائے جا سکتے ہیں لیکن میں آپ کو اس سوچ سے بھی بچا لوں گا۔ آیئے سڑک کنارے اس چھوٹے سے قصباتی ہوٹل پر آیئے۔ میں بڑی خندہ پیشانی سے بنچ کے آگے بچھی ہوئی میز آپ کے لئے صاف کر دوں گا اور پھر آپ سے آرڈر لے کر بڑی خوش الحانی سے ایک چائے سپیشل لاڈجی، یا ایک سادہ سنگل لاڈجی کی صدا لگاؤں گا۔ میں بھی کتنا دیوانہ ہوں آپ بھلا یہاں کیسے آ سکتے ہیں۔

خیر۔ لوا سامنے ہی ایک ۷۰ ماڈل کی ٹویوٹا آ کر رُکی ہے۔ ویسے مجھے کاروں کا کوئی شوق نہیں اور شوق تو صاحب استطاعت لوگوں کو ہی ہوا کرتا ہے۔ میں ٹھہرا دیہاتی ہوٹل کا ادنیٰ اسا ٹیبل مین۔ دراصل یہاں بہت سی کاریں، بسیں اور ٹرک وغیرہ آ کر رُکتے ہیں اور اُستاد لوگوں میں بیٹھ کر مجھے مشینری کا کچھ تجربہ ہو چکا ہے۔ ۷۰ ماڈل کی کار سے ایک صاحب پینٹ بوشرٹ پہنے شاید گولڈ لیف خریدنے کے لئے اُترے جو انہیں یہاں یقیناً نہیں مل سکے گی۔ ایک نو دس سال کا بچہ بھی ساتھ اُترا ہے جس نے چم چم کرتے باٹا کے جوتے پہن رکھے ہیں۔ گول مٹول سا بچہ۔ صاف شفاف کپڑے۔ یہ بھی یقیناً "پہلے باٹا کے جوتے پہنتا ہوگا اور پھر "پہلے باٹا پھر اسکول" گاتا ہوا اسکول چلا جاتا ہوگا۔ وہاں اسے گیٹ پر ماسٹر جی۔ نہیں مس مل جاتی ہوں گی وہ اسے پہلے اپنے خوبصورت سے سٹاف روم میں لے جا کر چائے پیسٹری بھی ضرور کھلاتی ہوں گی میں یہی سوچ رہا تھا کہ ہوٹل کے مالک کی جھڑکی سنائی دی۔

"اوئے بدیا ضے! بٹ بٹ کیا دیکھ رہا ہے۔ چل ادھر سے آرڈر لے۔"

"صاحب جی، پھل فروٹ، چائے، مٹھائی، کھانا۔ کیا لاؤں؟"

میری باتیں سن کر آپ اکثر قارئین کی طرح افسانے کے کردار کو اپنے ذہن میں مجسم کر چکے ہوں گے۔ یقیناً آپ کا میرے متعلق یہی خیال ہوگا کہ میں اکہرے بدن کا، کالا سا ٹیبل مین ہوں گا جو دن بھر اٹنگی سی میلی دھوتی پر کالا سا بنیان پہنے فلمی ہیرو ایسے بالوں میں پاؤ بھر تیل چیڑے اور کان کے اوپر بھرے ہوئے سگریٹ، اڑسے چائے لاڈجی، سادہ سنگل لاڈجی کی آوازیں لگاتا رہتا ہے اور رات کو لٹورنگ ٹاکیز میں جا کر سکرین پر پھڑکتی ہوئی رانی یا فردوس کے ہوائی بوسے لیتا ہے۔ بڑھکیں مارتا ہے۔ اور سکرین کے قریب جا کر جوش جنوں میں اپنا بوسیدہ بنیان پھاڑ کر ہیروئنوں کا صادق ترین عاشق ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی ضرور سوچا ہوگا۔ کہ میرا اور باٹا کا کوئی نفسیاتی تعلق ہونا بھی لازمی ہے ہو سکتا ہے اس نے کبھی باٹا کا جوتا چرا کر جیل کی ہوا کھائی ہو یا پھر بچپن میں اس نے اپنے والد سے چم چم کرتے جوتوں کا مطالبہ کیا ہو جو پورا نہ ہونے پر مایوس ہو کر گھر سے بھاگ نکلا ہو اور پھر دھکے کھاتا ٹیبل مینی تک پہنچ گیا اور اب جب بھی نئے جوتے دیکھتا ہے تو اسے گھر پیار اگھر یاد آ جاتا ہوگا۔" آپ کا بھی کوئی قصور نہیں۔ آپ تو اپنے کرب کو سب کا کرب سمجھ لیتے ہوں گے۔ اپنے مسئلے کو ہر ایک کا مسئلہ جان کر خاموش ہو جاتے ہوں گے۔ اگر آپ نے وسیع تر پیمانے پر سوچا ہوتا یا اگر اپنے مسئلے کو سلجھانے کی بجائے گلی کوچوں میں جا کر لوگوں کے مسائل سمجھے ہوتے اور انہیں سلجھانے کی کوشش کی ہوتی تو کوئی ریاض حسین، ریاضا نہ بنتا۔ کوئی ننگ سر اجوتا چرا کر جیل نہ جاتا اور کوئی والد اپنے بچے کی طلب کی تکمیل نہ کر کے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور نہ کر سکتا۔ اچھا۔ رہنے دیجئے۔ آپ خوبصورت لان میں سرخ پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ کر نئے چین سے درآمد شدہ کافی سٹ میں (NESCAFFE) پیجئے اور میرا افسانہ پڑھیئے۔ واقعی اس حقیقت کو آپ افسانہ ہی سمجھ رہے ہوں گے۔

ابھی میرے ذہن میں ایک اور خیال کوندا ہے کہ شاید آخری فقرہ پڑھ کر آپ مجھے ان پڑھ نابالغ یا (Layman Genius) سمجھ بیٹھے ہوں جو قارئین کا پیشگی تجزیہ کر ڈالتا ہے لیکن حضرات! میں نہ آپ کی پہلی سوچ ہوں اور نہ ہی دوسرا خیال بلکہ میں بارہ تیرہ سال کا انتہائی ذہین اور گورا چٹا بچہ ہوں جسے ماسٹر نے ساتویں جماعت سے محض چم چم کرتے جوتے نہ پہننے کی وجہ سے نہیں نکالا بلکہ اس لئے کہ میں بیس تاریخ کو جو کہ فیس کی ادائیگی کے لئے آخری تاریخ ہوتی ہے صرف دس روپے فیس ادا نہ کر سکا اور جیب میں کہیں سے

کر کرا کر اکیس تاریخ کو دس روپے کی خطیر رقم لئے خوش خوش اسکول کی عمارت میں داخل ہوا تو اس ظالم استاد نے نہ صرف میرا نام خارج کر دیا تھا بلکہ انتہائی درشتی سے ڈانٹ کر مجھے سکول سے نکل جانے کا حکم بھی سنا دیا۔ یقین کریں کہ اگر میں عین اس وقت میں آپ کی پہلی سوچ ہوتا تو ضرور اس کا سر پھاڑ دیتا لیکن میں نے ایک دن پہلے ہی حضرت علی کا ایک مقولہ پڑھا تھا کہ جس نے مجھے الف بھی پڑھایا۔ وہ میرا استاد ہے اور استاد کی تعظیم میرا فرض ہے، میرا خیال ہے کہ عرب میں مڈل سکول نہیں ہوا کرتے ہوں گے اور اسی لئے وہاں دو سال تک انتہائی شفقت سے پڑھانے والا استاد صرف فیس ایک دن تاخیر سے دینے پر کسی کو نہ نکالتا ہوگا۔ مگر فی الوقت تو میرے سامنے اپنا مسئلہ تھا۔ میری مرحومہ ماں کو مجھے پڑھانے کا کتنا شوق ہوا کرتا تھا۔ کاش وہ آج زندہ ہوتی تو شاید مجھے اٹھارہ تاریخ کو ہی کہیں سے رقم فراہم کر دیتی مگر خدا کو اس کے شوق سے کیا۔ میں بسورتا ہوا ہیڈ ماسٹر کے پاس پہنچا۔ منتیں سماجتیں کیں لیکن وہ بھی یہ ایک اصول ہے کی رٹ لگاتے رہے۔

اگر مجھے کچے جھونپڑے میں کراہتے ہوئے خون تھوکتے باپ کا خیال نہ ہوتا تو میں یقیناً اپنے وجود سے اس، با اصول جہاں کو پاک کر دیتا لیکن پھر میرے موت سے قریب ہوتے ہوئے باپ کو کائی جمے گھڑے سے کانسی کے گندے کٹورے میں پانی الٹ کر کون دیتا؟ اس کا سر کون دباتا؟؟

میرا باپ میری ماں کی زندگی میں ہی کسی موذی مرض کے چنگل میں گرفتار ہو گیا تھا۔ چند کنال زمین جسے وہ اپنی ماں کہا کرتا تھا اس نے اپنے وجود کی بقا کے لئے بیچ ڈالی۔ خیر اس نے کوئی اتنا بڑا گناہ تو نہیں کیا۔ سینما کے پچھواڑے میں وہ جو جھونپڑے میں ایک کالی سی بھتنی رہتی ہے اور جسے لوگ انوری کہتے ہیں۔ اس کے جھونپڑے میں تو سینما کا آپریٹر، عزیر پھل فروش اور نجانے کون کون لوگ گھسے رہتے ہیں جبکہ انوری کا بیٹا گاموں بتیسی نکالے باہر ملنگ گھومتا رہتا ہے۔ زمین میرے باپ کی کوئی اصلی ماں تو نہ تھی وہ تو بس یونہی کہنے کی بات ہے لیکن اس کی ماں کا خون بھی اس کے مرجھائے پنڈے کو کھلانے میں ناکام ہو گیا۔ وہ ریت کی دیوار کی طرح بھرتا چلا گیا اس کے گالوں کی ہڈیاں ابھرتی چلی گئیں۔ چہرے کی سرخیاں زردیوں میں بدلتی گئیں۔ آنکھوں کی چمک معدوم ہوتی گئی اور اس کی آنکھیں مجھے پیلی مٹی سے پوتے ہوئے چولہے میں لگائی ہوئی راکھ کی دو چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں لگائی دیتی ہیں۔

میری ماں کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کے سرتاج کو موت کے منہ سے اب کوئی نہیں بچا سکتا لیکن شاید میری ماں دور اندیش کچھ کم ہی تھی۔ اس کے ہاں بچہ پیدا ہونا تھا۔ نمعلوم یہ غریب لوگ خود مرجھائے ہوئے ہونے کے باوجود نئے پھول کھلانے کی دھن میں اتنے جوش و خروش کے مظاہرے سے باز کیوں نہیں آتے؟ ہمارے ہاں ایک بہن پیدا ہوئی۔ نہیں۔ وہ تو اس چھوٹے سے پلے کی بہن تھی جس کی پچھلی دو ٹانگیں ایک ماہ پہلے ٹرک تلے آکر کچلی گئی تھیں اور اب وہ اپنی تنکوں ایسی کچلی ہوئی پچھلی ٹانگوں کو گھسیٹتا کئوں کئوں کرتا پھرتا رہتا ہے۔ تو وہ شاید میری اور گھسٹتے پلے دونوں کی بہن تھی کیونکہ اس کی صورت تو مجھ سے ملتی جلتی تھی لیکن ٹانگیں بالکل مضروب پلے جیسی تھیں۔ خود گھسٹتے ہوئے ساتھ میں میری ماں کو بہت دور گھسیٹ کر لے گئی۔ سرکٹ گیا اور زنگ آلود تاج وہیں کا وہیں دھرا ہے جس کا مجھے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ جب میں نے ماں اور خدا کے شوق کی بات اس سے کی تو اس کی دھنسی ہوئی راکھ کی ڈھیریاں ایسی آنکھیں کچھ اور اندر دھنس گئیں اور اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات مکڑیوں کے جالے سے بنا گئے وہ بہت برہم ہوا اور مجھ پر انکشاف کیا کہ میں کفر کے کلمات ادا کرنے کا مرتکب ہوا ہوں۔ میرا معصوم ذہن ایک بار پھر سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید سارے کافر مجھ جیسے دکھی ہوں گے تبھی تو وہ کفر بکتے ہیں۔

اسکول میں طویل تعطیلات ہو گئیں اور میں یہاں ہوٹل پر تیس روپے مہینہ اور روٹی کپڑے پر ملازم ہو گیا۔ ماحول بہت گندا ہے۔ میری عمر چھوٹی ہے۔ شکل وصورت بھی خاصی ہے کپڑے بھی واجبی سے ہوتے ہیں جس میں سے مکھن ایسا بدن جھانکتا رہتا جو بھی دیکھتا ہے زور سے کھنگورا داغ دیتا ہے اور اگر میں بھولے سے اس کی جانب دیکھ بھی لوں تو وہ نہایت مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ میں صرف اپنی پڑھائی کو نئے سرے سے جاری کرنے کے لئے ہوٹل کی ملازمت کر رہا ہوں لیکن استاد لوگ مجھے لڑکے کی بجائے بستر سمجھتے ہیں۔ مجھے اپنے بدن پر خونی مکڑوں کی سرسراہٹ بے چین کر دیتی ہے دل تو دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہتا ہے لیکن میں استاد جی چائے لاؤں یا کھانا کہہ کر اٹھتا ہوں اور اپنا چھوٹا سا دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں اگر استاد بادشاہوں کے حضور کوئی گستاخی کر دی تو مالک نوکری سے نکال دے گا۔ تنخواہ نہیں ملے گی۔ باپ الگ ناراض ہوگا اور پھر ساتویں جماعت میں دوبارہ داخل ہو کر اپنی ماں کے شوق کی تکمیل بھی تو نہیں کر سکوں گا۔

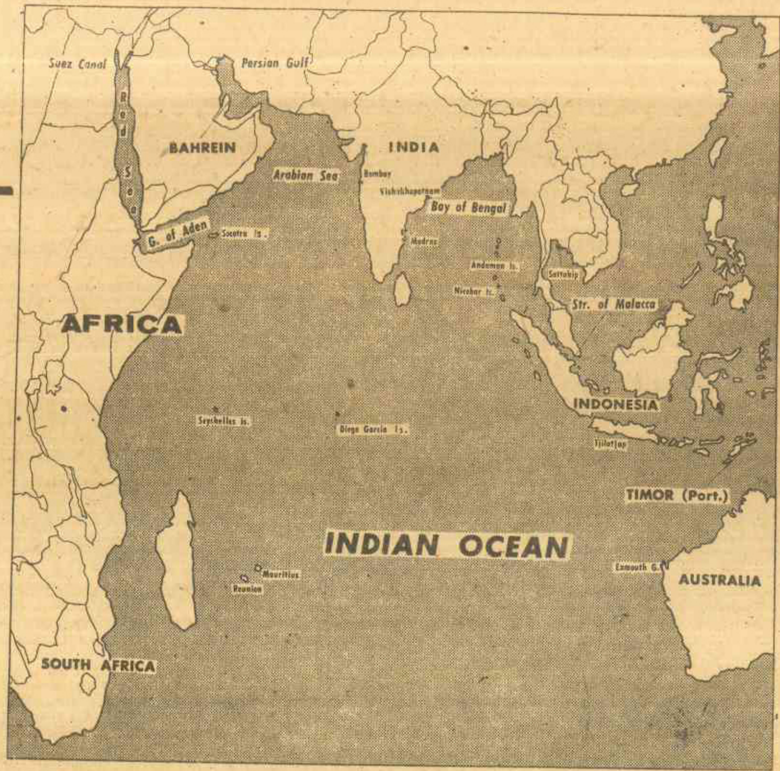
پرسوں کہیں جاتے ہوئے بس سے ایک بابو اترا ہوٹل کے نزدیک آیا تو میں نے اپنے رٹے رٹائے جملے دہرائے وہ میری چرب زبانی سے خوش ہو گیا اور میری گال پہ ہلکے سے چپت مار کر کہا بچے تو بڑے ذہین لگتے ہو۔ پڑھتے نہیں کیا؟ میں گھبرا گیا کہ ڈرائیوروں کے بعد بابو بھی لذتیت کا شکار تو نہیں ہونے لگا۔

لیکن بابو نے گال پر چپت مار کر کوئی ایسی بری بات تو نہیں کی اور اس کا لہجہ بھی بے حد مشفقانہ تھا میں نے اسے اپنی رام کہانی سناتے ہوئے بتایا کہ کئی آدمیوں نے مجھے پڑھانے کو کہا ہے لیکن در پردہ سب کے اپنے مفاد ہوتے ہیں۔ بابو مجھ پر مہربان ہو گیا اور مجھے خوش خبری سنائی کہ میں چند روز بعد آکر تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔ وہاں تم گھر کے فرد کی طرح رہنا میری ماں بہت نیک عورت ہے وہ تجھے اپنے بیٹوں کی طرح رکھے گی لیکن اس نے نہ آنا تھا اور نہ آیا۔ ہو سکتا ہے اس کی ماں نے میرے متعلق کہا ہو معلوم نہیں کوئی چور اچکا ہو یا نمعلوم کیسے خاندان کا ہو؟ کیونکہ یہ نیک بوڑھیاں شکی مزاج بھی تو ہوتی ہیں۔

مسئلہ میرا اپنا ہے کہ کیا میں ایک نہ ایک دن نچلا کے ضرور بیٹھ جاؤں گا کہ یہاں کی ریت ہی یہی ہے؟ کیا میں ٹرک ڈرائیور بن جاؤں گا کہ استاد لوگ مجھ میں ڈرائیوری کے جوہر کی نشاندہی کرتے ہیں؟؟ کیا میں اپنی تعلیم کو دوبارہ جاری کر کے اپنی ماں کے شوق کی تکمیل کر سکوں گا؟؟؟ یا پھر میں حالات سے مجبور ہو کر ماں کے شوق کی بجائے احکم الحاکمین کے شوق کی تکمیل کی خاطر خود بخود ٹوٹ جاؤں گا؟؟؟؟ لیکن ان سب سوالات کا جواب آپ کے پاس کہاں ہوگا۔ ان کا جواب تو آنے والا وقت اور مستقبل ہی دے سکے گا۔ مگر میں آپ کے ذہن میں اٹھنے والے ایک سوال کا جواب دیتا جاؤں کہ میرا نفسیاتی تعلق آپ کی سوچ کے مطابق "پہلے باٹا پھر اسکول" کے پہلے حصے سے نہیں بلکہ دوسرے حصے سے ہے۔ اسکول کا نام سنتے ہی مجھے اپنی مرحومہ ماں، قریب المرگ باپ، کھنکارتے لوگ اور وعدہ کرنے والا بابو سب یاد آجاتے ہیں۔ مجھے تو فیس بھی بروقت نہیں مل سکتی میں باٹا کیا خاک پہنوں گا اور پھر بقول ریڈیو والوں کے سکول جانے کے لئے باٹا اولین شرط ہے۔ واہ رے مولا نہ ہی باٹا نہ اسکول۔

بحرِ ہند میں "گن بوٹ" پالیسی پر
امریکہ اور روس کے درمیان کشمکش





امریکہ اور روس کے فوجی ڈرامے کا نام "تیل" ہے

ریحانہ ادریس

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ۲۴ اور ۲۵ اگست کے اجلاس میں اقوام متحدہ میں بنگلہ دیش کی رکنیت کے سوال پر بحث کی گئی۔ روسی حکومت نے اپنے مخصوص مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے بھارتی حکومت کے ساتھ مل کر اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اقوام متحدہ کی فوری رکنیت کے لئے بنگلہ دیش کی، درخواست کو قبول کرے لیکن روس کے مذموم عزائم چین کے ویٹو کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔

روس اقوام متحدہ میں بنگلہ دیش کی فوری رکنیت کیوں چاہتا ہے؟

روس کا مقصد یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کی دھجیاں بکھیرہ دی جائیں جو اس نے گزشتہ سال منظور کی تھیں۔ تاکہ جنوبی ایشیا میں روسی جارحیت کو قانونی تحفظ دیا جاسکے۔ اور اس طرح اس علاقے میں اسے اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل سکے۔

گزشتہ سال بھارت نے روس کی مدد سے پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کی! اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل نے اس کھلی ہوئی جارحیت کے خلاف واضح اکثریت سے کئی قراردادیں پاس کیں جن میں واضح طور پر یہ کہا گیا تھا کہ دونوں ممالک اپنی اپنی فوجیں اپنے علاقوں میں واپس بلالیں۔ اور ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشن کے تحت بھارت پاکستان کے ۹۰۰۰۰ ہزار سے زائد فوجی اور شہری قیدیوں کو بالردے۔ روس اس وقت پس منظر میں ہے۔ بھارت اور بنگلہ دیش نے اس قرارداد پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

بنگلہ دیشی حکام پاکستانی جنگی قیدیوں پر مقدمات چلانے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ چاٹگام کی بندرگاہ کو بارودی سرنگوں سے صاف کرنے کے بہانے روسی اور بھارتی بحری فوجیں وہاں موجود ہیں۔ اقوام متحدہ میں بنگلہ دیش کی رکنیت کا سوال ان اقوام اور یو۔این چارٹر کے اصولوں کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اس سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ روس کو اس علاقے میں امن سے نہیں، اپنے وسیع تر مفادات سے دلچسپی ہے۔

بھارتی توسیع پسند اور روسی سوشل سامراج نے مل کر پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کی تو ایک رپورٹ کے مطابق جو ۱۹ فروری ۱۹۷۱ء کے ایسٹرن اکنامک ریویو میں چھپی ہے۔ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو تین روسی جہاز آبنائے ملایا سے خلیج بنگال میں داخل ہوئے۔ امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ اس کے بعد آبنائے ملایا میں سات دن بعد آیا۔ ۱۴ دسمبر کو ایک اور اطلاع ملی کہ تین اور روسی جہاز آبنائے ملایا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ امریکی بیڑہ اور روسی جہاز آگے پیچھے خلیج بنگال میں داخل ہوئے۔ امریکیوں کا کہنا ہے کہ بحرِ ہند میں آئندہ بھی اس قسم کے بحری آپریشن ہوتے رہیں گے۔

یہ بحری آپریشن اس بات کا کھلا اظہار ہے کہ دونوں بڑی طاقتیں بڑے پیمانے پر بحرِ ہند پر اپنی اجارہ داری کے لئے کوشاں ہیں۔ جس طرح ان کا تسلط بحر اوقیانوس، بحر الکاہل اور بحر منجمد شمالی پر قائم ہے۔ سمندروں پر لیڈری کی خواہش نے امریکہ اور روس دونوں کی کشمکش کو اور تیز کر دیا ہے

فوجی اڈوں کے لئے کشمکش

بحرِ ہند پر ایک عرصے سے برطانیہ کا اثر و نفوذ تھا۔ ۱۹۶۷ء سے روس نے آہستہ آہستہ اپنا اثر بڑھانا شروع کیا تاکہ اس خلاء کو پُر کیا جا سکے جو برطانیہ کے اس علاقے اور نہر سویز سے جانے کے بعد وجود میں آیا۔ ایک اطلاع کے مطابق روس کے پندرہ بیس بحری جہاز بحرِ ہند میں موجود ہیں۔

روس کا پہلا مقصد بھارت میں فوجی اڈے قائم کرنا ہے۔ جزائر انڈیمان، نکوبار اور بندرگاہ وزیگاپٹم میں وہ بحری اڈوں کی تعمیر کر رہا ہے۔ اس کے بحری جہاز بڑی آزادی سے بمبئی اور مدراس کی بندرگاہوں میں دندناتے پھرتے ہیں۔

بحرِ ہند کے مشرق میں روس کا شکار انڈونیشیا اور پرتگالی جزیرہ ٹیمر ہیں تاکہ وہاں بھی فوجی اڈے بنائے جا سکیں۔ اس بات کی شدید کوشش کی جا رہی ہے کہ جاپانی رجعت پسندوں کے ساتھ مل کر انڈونیشیا اور ملائیشیا پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ غیر اصولی طور پر آبنائے ملایا کو بین الاقوامی بحری راستہ قرار دینے کا تقاضا کریں۔

بحرِ ہند کے مغرب میں روس کی حریص نگاہیں خلیج عدن پر لگی ہوئی ہیں۔ اس طرح وہ بحیرہ قلزم اور نہر سویز پر کنٹرول کر سکے گا۔ اور پھر بحرِ ہند سے بحر اوقیانوس تک جانے کا بحری راستہ مکمل طور پر روس کی زیرِ نگرانی آ جائے گا۔ بھارت سے فوجی معاہدہ اور بحرِ ہند پر مکمل اجارہ داری کے بعد روس عربوں سے تغافل برتنے لگا ہے کیونکہ اُس نے جن مقاصد کے تحت عربوں کی حمایت کی تھی وہ بھارتی دوستی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ اب عربوں پر توجہ وقت کا ضیاع تھا کیونکہ روس اپنی ساری توانائی بحرِ ہند میں امریکہ اور ایشیا میں چین کے خلاف صرف کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس مشرقِ بعید سے نکلنے پر آمادہ ہو گیا۔

"معاشی امداد" کی آڑ میں روس نے بحرِ ہند کے چند اہم جزیروں مثلاً سیچلس، سوکوٹرا اور ماریشس پر نظریں جما رکھی ہیں۔

برطانیہ کے ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق روس کے قدم بحرِ ہند اور بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ ۱۴ ملکوں کی کم از کم ۲۲ بندرگاہوں تک پہنچ چکے ہیں۔

سوویت سوشل سامراج کو "گن بوٹ پالیسی" اپنے پیش رو حاکموں یعنی زاروں سے وراثت میں ملی ہے۔ ان کی بحرِ ہند تک توسیع پسندی کی خواہش ان کے "بڑوں" کے ایک پرانے خواب کی پرتو ہے۔ روس کے مقابلے میں امریکہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس کا ساتواں بحری بیڑہ بحرِ ہند میں دندناتا پھر رہا ہے۔ وہ چار مرتبہ امریکی افواج کو نکالنے کے بہانے بحرِ ہند میں داخل ہوا۔ اس رفتار نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ آئندہ پانچ سالوں میں بحرِ ہند میں امریکی بحری فوج کی تعداد ....۰ تک پہنچ جائے گی۔

امریکہ بحرِ ہند کے دونوں سروں پر اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنے پر خصوصی توجہ صرف کر رہا ہے۔ اُس نے شمال مغربی آسٹریلیا میں ایکسماؤتھ گلف اور تھائی لینڈ کے ساحل پر ساٹاہپ کے مقام پر اپنے اڈے قائم کر لئے ہیں جو بحرِ ہند سے نزدیک ہیں۔ سنا گیا ہے کہ امریکہ نے انڈونیشیا سے اس کی بحری تنصیبات کو استعمال کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ نے آسٹریلیا کو بھی امداد دی ہے تاکہ وہ انڈونیشیا کو جیلا جاپ کی بندرگاہ کی تعمیر میں مدد دے سکے۔ یہ بندرگاہ وسطی جاوا کے جنوبی ساحل پر واقع ہے اور اُسے آبدوز شکن جہازوں کے اڈے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

بحرِ ہند کے جنوب میں جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت اپنی بحری قوت کو بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ وہ ایسی جنگی کشتیوں کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہے جو خود کار میزائل، آبدوز شکن آلات اور جاسوسی کے آلات سے لیس ہوں۔

گذشتہ سال کے شروع میں امریکہ نے برطانیہ کی مدد سے بحرِ ہند کے وسط میں جزیرہ ڈائیگو گریشیا میں ایک مواصلاتی مرکز قائم کیا ہے۔ اس اڈے میں ...۸ فیٹ لمبا رن وے ہے۔ اس کے علاوہ طیارہ بردار جہازوں اور ایٹمی آب دوزوں کے لئے ایک بندرگاہ بھی موجود ہے۔ اُسی سال کے اواخر میں امریکہ نے بحرین کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت برطانیہ کا خالی کیا ہوا اڈہ امریکہ کو لیز پر مل گیا ہے۔

ان مثالوں سے امریکی توسیع پسندی کی ایک واضح تصویر نظر کے سامنے آتی ہے۔ اس طرح آسٹریلیا سے انڈونیشیا اور بحرین سے جنوبی افریقہ کا راستہ امریکہ کے لئے صاف ہو جائے گا اور جزیرہ ڈائیگو گریشیا ان کا مرکز ہو گا۔ اس طرح امریکی بحرِ ہند کو اپنے زیرِ تسلط رکھ سکیں گے۔

امریکہ اور روس دونوں ہی بحرِ ہند میں اپنی افواج میں اضافہ کرنے میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں دونوں کا مقصد بحرِ ہند پر تسلط قائم کرنا ہے۔ اس کی جنگی اہمیت پوری دنیا پر واضح ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس سمندر میں تیل کے راستوں پر کنٹرول کریں اور اس علاقے میں نوآبادیات میں اضافہ کریں۔

جنگی اہمیت

دنیا کی تاریخ میں بحرِ ہند میں شہنشاہیت پسند قوتیں ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہی ہیں۔ یہ کہاوت بہت پرانی ہے کہ

"جس نے سمندر پر حکومت کی اس نے دنیا پر حکومت کی۔"

یہی وجہ ہے کہ بحرِ ہند ہمیشہ قوموں کے درمیان تنازعہ کا باعث رہا ہے۔ اس کے مشرقی مغربی اور شمالی ساحلوں پر تین برِ اعظم ہیں۔ قدرتی طور پر یہ ایک اہم مواصلاتی مرکز ہے۔ یہ جنوب میں آبنائے باب المندیب اور نہر سویز کے ذریعے بحر اوقیانوس سے، مشرق میں آبنائے ملایا کے ذریعے بحر الکاہل سے اور جنوب مغرب میں افریقہ کے جنوبی سرے پر بحرِ منجمد شمالی سے ملتا ہے۔ ماضی میں برطانیہ نے بحر اوقیانوس میں اپنی بحری قوت کے بل پر تسلط قائم کیا۔ پھر ایک قدم اور بڑھا کر اس نے بحرِ ہند پر کنٹرول قائم کر لیا جس کے طفیل بحر الکاہل میں اس کی نوآبادیات بحرِ ہند کے علاقے سے مل گئیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکہ نے اپنا چھٹا اور ساتواں بحری بیڑہ بحر الکاہل، بحرِ منجمد شمالی اور بحر اوقیانوس میں متعین کر دیا۔ اس کے علاوہ برطانیہ کی وہ بحری افواج بھی موجود تھیں جو بحرِ ہند پر کنٹرول کرتی تھیں۔ اس طرح اس کی جنگی صف بندی مکمل ہو گئی۔ ۱۹۶۰ء سے روس نے اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کی اور سمندروں پر اپنا اثر پوری قوت سے بڑھانا شروع کیا۔ اور ایک ایسا بحری راستہ قائم کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرنے کی کوشش کی جو بحیرہ جاپان سے شروع ہو کر بحر الکاہل، آبنائے ملایا، بحرِ ہند، نہر سویز، بحر اوقیانوس اور بحیرہ اسود سے گزرتا ہو۔

اسی لئے بحرِ ہند روس کے لئے ایک ایسا مرکزِ ثقل ہے جسے حاصل کرنے کے لئے روسی ترمیم پسند ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ روس نے بہت بڑی تعداد میں اپنی فوجیں چین کی سرحد پر جمع کر رکھی ہیں۔ اس کا جاپانی رجعت پسندوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ ہے۔ روس اس بات کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ کسی طرح بحر الکاہل سے بحرِ ہند تک ایک سمندری راستہ کھل جائے اس سلسلہ میں وہ جنوبی ایشیا میں لڑائیاں کرانے میں بھی پیچھے نہیں رہا یعنی وہ "دوسروں میں پھوٹ ڈال کر فائدہ اٹھاؤ" کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسی لئے اس نے ہر مرتبہ ایشیا کے اجتماعی سلامتی کے سسٹم کے قیام کی تائید و حمایت کی ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ روسی ترمیم پسند ایشیا میں فوجی معاہدے اور فوجی اڈے قائم کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں گے تاکہ بحرِ ہند پر ان کی اجارہ داری قائم رہے اور امریکہ کا اثر اس علاقے سے ختم ہو جائے، ساتھ ہی چین کی ناکہ بندی بھی اس پلاٹ کا ایک اہم حصہ ہے۔

پس منظر میں تیل ہے

بحرِ ہند تیل کی ایک اہم گزرگاہ ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور خلیج عرب کے تیل پیدا کرنے والے تمام ممالک کا تیل بحرِ ہند کے ذریعے اس کے خریداروں تک پہنچتا ہے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ دو بڑی طاقتوں نے

۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو تین روسی جہاز خلیج بنگال میں کیوں داخل ہوئے ؟

تیل کے ذرائع پر تصرف حاصل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس طرح ساری دنیا کے تیل اور اس کی مارکیٹ پر ان کی مکمل اجارہ داری قائم ہو گئی۔ بحرِ ہند میں تیل کی پائپ لائنوں کا جال بچھا ہوا ہے اس لئے کوئی ملک بھی اس کے لئے لڑائی سے گریز نہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ بحرِ ہند اور مغربی بحرالکاہل میں تیل کے وسیع میدان بڑی طاقتوں کے درمیان فوجی اڈوں کے لئے جدوجہد اور کشمکش کا ایک اہم اور بڑا سبب ہیں۔ اس سارے کھیل کا نام "تیل" ہے۔ مغربی یورپ کا تقریباً ۵۴ فی صد تیل اور جاپان کا تقریباً ۹۰ فی صد تیل بحرِ ہند سے گزرتا ہے۔ امریکی حکام کھلے بندوں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ان کو بحرِ ہند میں اپنی بحری قوت بڑھانی چاہیئے تاکہ انہیں مشرقِ وسطیٰ سے بلا خوف و خطر تیل ملنے کی ضمانت حاصل ہو سکے۔ امریکی پیٹرولیم انسٹی ٹیوٹ کے ایک اندازے کے مطابق ۱۹۸۵ء تک امریکہ میں تیل کی درآمد میں ۷۵ فی صد اضافہ ہو جائے گا۔ امریکی بحریہ کے چیف آف سٹاف کا کہنا ہے کہ اس وقت امریکہ میں روزانہ تیل کا استعمال ۱۲ ملین بیرل ہو گا، جس کا ایک بڑا حصہ مشرقی نصف کرۂ ارض سے آئے گا۔

دوسرے سرمایہ دار ممالک میں بھی مشرقِ وسطیٰ کے تیل کی مانگ وسیع پیمانے پر بڑھ جائے گی۔ مثال کے طور پر جاپان کو لیجئے، آج وہ مشرقِ وسطیٰ سے ۱۰۰ ملین ٹن تیل درآمد کر رہا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں یہ مقدار بڑھ کر ۰۰ ملین ٹن تک پہونچ جائے گی۔

روس کے اپنے تیل کے ذخائر پہلے ہی کم ہو گئے ہیں۔ نئے دریافت شدہ تیل کے کنووں کی کھدائی ابھی نہیں ہوئی ہے اور اگر ہو بھی گئی تو پیداواری لاگت بہت زیادہ ہو گی۔ اس لئے اُسے اپنی تیل کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مشرقِ وسطیٰ کے تیل پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنا پڑے گا۔ اکنامسٹ کے اندازہ کے مطابق ۱۹۸۰ء تک روسی تیل کے ذخائر میں سالانہ ۱۰۰ ملین ٹن تیل کی کمی ہوتی جائے گی۔ روس ایک طویل عرصے سے آہستہ روی لیکن بہت استقامت کے ساتھ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک میں داخل ہونے کی پالیسی پر گامزن ہے تاکہ تیل پیدا کرنے والے ممالک پر اس کا کنٹرول رہے اور ان تیل کے راستوں پر ان کا تسلط رہے جو مشرقِ وسطیٰ سے یورپ اور جاپان جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ روس کا ہاتھ در پردہ مغربی تیل کمپنیوں سے ملا ہوا ہے۔ جب نہرِ سویز بند ہوئی تو روسیوں نے مغربی کمپنیوں سے وہ تیل حاصل کر لیا تھا جو انہوں نے خلیج عرب کے ممالک سے نکالا تھا، اور اُسے جاپان میں اپنے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ اس کے بدلے میں روسیوں نے بحیرۂ اسود کے ساحلوں پر اپنا تیل مغربی کمپنیوں کو دیدیا جس پر انہوں نے اپنی چھاپ لگا کر مغربی یورپ کو فروخت کیا۔

نوآبادیات کی توسیع

روس اور امریکہ کے بحری بیڑوں کی بحرِ ہند میں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کر کے چھوٹے ملکوں کو ڈرا دھمکا کر ان کی قومی آزادی اور سلامتی کا خاتمہ کرنے کی پالیسی پر چل رہے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی نوآبادیوں میں اضافہ کر سکیں۔

ہندوستان بحرِ ہند کے ساحل پر سب سے بڑا ملک ہے اور بھارتی حکمران ٹولہ اپنے عوام کے مفادات کی قیمت پر خود کو بڑی طاقتوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

گزشتہ ۲۴ سال کے دوران امریکہ نے بھارت کو ۰۰۰،۱۰ ملین امریکی ڈالر بطور امداد دیئے۔ بھارت کی طرف سے بیرونی قرضوں کی ادا شدہ رقم، بشمول روسی امداد، کے اس سال بڑھ کر ۶۰۰ ملین ڈالر ہو گئی۔ پچھلے قرضوں اور ان کے سود کو الگ کرنے کے بعد بھی امریکہ کی خالص امداد ۲۰۰ ملین ڈالر سالانہ ہے۔

حالیہ سالوں میں بھارت نے زیادہ تر روسی ترمیم پسندوں پر انحصار کرتا رہا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۰ء تک بھارت کو ملنے والی "روسی معاشی امداد" ۱۲۱۴ء۳ ڈالر تھی۔ اب تک یہ سب سے بڑی رقم ہے جو سوویت "غیر ملکی امداد" کے فنڈ سے بھارت کو ملی ہے۔ اس طرح روس بھارت کا دوسرا بڑا اتحادی بن گیا ہے۔ نامکمل اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۰ء تک بھارت کو ۱۰۰۰ ڈالر سوویت فوجی امداد ملی۔ چنانچہ روس اس علاقے میں اسلحہ کا سب سے بڑا تاجر بن گیا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے بھارتی وزیرِ خارجہ سردار سورن سنگھ نے کہا تھا کہ گزشتہ ۲۵ سال کے دوران بھارت اور روس کی تجارت میں ۱۰۰ گنا سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔

گذشتہ سال اگست میں بھارت اور روس کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے تھے۔ بظاہر یہ دوستی اور تعاون کا معاہدہ ہے لیکن درحقیقت یہ ایک فوجی معاہدہ ہے جس کا شکار سب سے پہلے پاکستان بنا۔ روس نے پاکستان کے خلاف بھارتی توسیع پسندوں کی جارحیت کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بھارت روس کی گرفت میں ہے اور وہ اس گرفت کو مضبوط بنانے کے لئے ہر لمحے کو استعمال کر رہا ہے۔

بھارت میں روس کئی میدانوں میں امریکہ کی جگہ لے رہا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ عرصہ قبل ماسکو میں بھارت کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے تھے۔ جس کی رُو سے رُوس بھارت کو ۲۰۰۰۰ ٹن روئی سپلائی کرے گا۔ پہلے اس کی سپلائی امریکہ کرتا تھا۔ فولاد، المونیم، جست اور دوسری دھاتیں پہلے امریکہ سے درآمد کی جاتی تھیں اب روس اور مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک فراہم کریں گے۔

نئی دہلی میں مغربی مدبّروں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ماسکو کا بحرِ ہند پر لیڈری کا برسوں پُرانا خواب جلد ہی حقیقت

بحرِ ہند کے ساحلوں پر جنم لینے والی انقلابی تحریکیں ایک دن سامراج کی سمندری برتری کا خاتمہ کر دینگی

میں بدل جائے گا۔

ظاہر ہے امریکہ بھارت کو آسانی سے روس کی آغوش میں جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ مسز اندرا گاندھی کی یہ کوشش ہو گی کہ امریکہ سے اچھے تعلقات رہیں تاکہ بھارتی معیشت کلی طور پر روسیوں کے رحم و کرم پر نہ رہے۔

بھارت میں بڑی طاقتوں کی دلچسپی اور کشمکش جنوبی ایشیا میں جدید ہنگاموں کا پیش خیمہ ہے۔

بحرِ ہند دنیا کا تیسرا بڑا سمندر ہے۔ فوجی ماہرین کا کہنا ہے کہ ایٹمی جنگ اور میزائل کے دور میں بحرِ ہند میزائل فائرنگ اور آب دوزوں کا ایک وسیع لانچنگ پیڈ ثابت ہو گا۔ اس اندازے کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دونوں بڑی طاقتیں بحرِ ہند میں ایٹمی ہتھیاروں سے لیس بحری جہاز بھیجتی رہیں گی اور اس علاقے میں اپنے فوجی اڈے تعمیر کرتی رہیں گی۔ اس طرح وہ دوسرے ملکوں کی آزادی اور سلامتی کو سلب کرنے کی کوشش کرتی رہیں گی اور ان کے عوام کی قسمت سے کھیلتی رہیں گی۔ لیکن بڑی طاقتوں کی زبردستی کی سیاست، جارحیت پسند پالیسیاں اس علاقے کے تاریخی مزاج کے بالکل خلاف ہیں۔ چنانچہ انہیں بُری طرح ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔

انیسویں صدی میں جرمن شہنشاہ ولیم دوم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جرمنی کا بحری بیڑہ دنیا پر حکومت کرے گا۔ آج ولیم دوم گوشۂ گمنامی میں جا چھپا ہے اور جرمن سلطنت عرصہ ہوا ختم ہو چکی ہے۔

برطانوی سلطنت کا کہنا تھا کہ اس کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ اب اس کی عملداری وہیں تک

باقی صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔



کیا آزادی کیلئے بندوقیں اُٹھانے والے دہشت پسند ہیں؟

وطن آزاد ہوگا یا ہمارے خون سے سیراب ہوگا

ڈاکٹر صغیر کامران

زمان و مکاں کی بعید ترین حدود اور وسیع ترین انتہائیں " الفتح کی مثالی جماعتِ مجاہدین کے ایمان افروز اور عظیم الشان کارناموں سے گونج اُٹھی ہیں۔ آج عالمِ انسانیت کا ایک ایک گوشہ اور آزاد دنیا کا ایک ایک فرد، تحریکِ آزادی فلسطین کو خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ لاریب الفتح کی تحریک، تاریخِ انقلابات عالمِ انسانیت و حریت میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجاہدینِ انقلابِ فلسطین نے دعوتِ حق و زندگانی کو صاف صاف باوازِ بلند بیان کیا۔ اور جاری رکھا ہوا ہے۔ نہ تو وہ باطل سے ڈر کر خاموش ہوئے اور نہ ہی حزن و ملال کا شکار ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ دنیا کے بدترین' سفاک' شقی القلب' انسانیت و حریت کش دشمن سامراج، عالمی استعمار اور صیہونیت سے نبرد آزما ہیں۔ اور اپنے معصوم اور گرم گرم لہو سے' انسانیت' حق اور آزادی کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ ان کی یہ مقدس جدوجہد امنِ عالم کی بقا' انسانیت کے تحفظ اور جارحیت اور سامراج کا مکمل خاتمہ کر کے ہی ختم ہو گی۔ بلاشبہ انقلابِ فلسطین وقت کا اہم ترین تقاضہ اور انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے۔

کھانے پر مجبور کر دیا گیا۔ ادھر ادھر بکھرے ہوئے لاکھوں فلسطینی مہاجرین کسمپرسی اور افسوسناک حالت میں عالمِ انسانیت کے لئے ایک مسئلہ بن گئے ہیں۔ کیوں؟

بائیس طویل اور سخت تکلیف دہ برس گزر چکے ہیں۔ لیکن ان محروم مہاجرین کی حالتِ زار میں معمولی سا فرق بھی نہ آیا۔ بین الاقوامی خیرات کی توہین آمیز زندگی اور غیر انسانی سلوک نے انہیں دل برداشتہ کیا ہے۔ مہاجرین کیمپ میں بیگار کیمپوں کا سا نقشہ ہوتا ہے۔ حالات سے تنگ آ کر اور بہتر امکانی دنیا کی تلاش میں' وہ جہاں کہیں بھی گئے۔ ان سے ہتک آمیز سلوک روا رکھا گیا۔

دنیا میں ہونے والے تمام سیاسی جرائم کا مرتکب صرف ان ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ انتشار پسند اور دہشت پسند ہیں۔ آخر انہیں غیر پسندیدہ اور خطرناک کیوں سمجھا جاتا ہے۔ کیا صرف اس وجہ سے انہیں موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ کہ انہوں نے اپنے غصب شدہ اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے وطن کی آزادی کے لئے بندوقیں اٹھالی ہیں۔ کیا وہ مجرم ہیں؟ کہ انہوں نے چند ناپاک، جارح، ظالم اور غاصب درندوں کو وطن سے نکال دینے کا عزم کر لیا ہے۔ کیا اپنے وطن کو آزاد کرانا جرم ہے؟ کیا اس عزم کو گناہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے وطن میں آزادانہ رہنے کا حق مانگ رہے ہیں۔؟ کیا ناموسِ وطن پر قربان ہو جانا یا قربان ہونے کے لئے میدانِ عمل میں نکلنا جرم ہے۔

یہ ہیں وہ سوالات، جو آج آزاد دنیا کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہیں اور فلسطین کا ہر عرب، مہاجر آزاد دنیا کے سامنے ایک چیلنج اور مجسم سوال بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔

مسلح جدوجہد کیوں؟

جب پرامن جدوجہد کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ آئینی ذرائع سے اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی بازیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی ہو۔ جب انسانوں کی مسلسل جدوجہد اور فریادوں کے باوجود ان کی جائز تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ باطل قوتوں نے جارحیت اور ظلم سے عوام کے جائز اور آئینی حقوق کو غصب اور پامال کر دیا ہو اور اصلاح کی کوئی بھی صورت باقی نہ رہ گئی ہو تو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے محروم انسانوں کے لئے ماسوائے مسلح جدوجہد کے اور کوئی بھی طریقۂ کار منصفانہ اور باوقار نہیں ہو سکتا۔ ایسے حالات ہی انقلاب کو جنم دیتے ہیں۔ اور انقلابی عوام حالات سے مجبور ہو کر جارحیت پسند ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن سے پنجہ آزمائی شروع کر دیتے ہیں۔

ہر سمجھدار انسان' باشعور شہری اور حریت پسند قوم کا اوّلین فرض ہوتا ہے کہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑ پھینکے، جنہوں نے اس کی قومی غیرت' آزادی اور انسانیت کو مجروح کر کے اُسے غلام بنایا۔ حریت پرست افراد و اقوام کو ان افراد و اقوام کی مکمل مدد و حمایت کرنی چاہیئے۔ جو انسانی حقوق کی بازیابی کے لئے ظلم اور بدی کی قوتوں سے نبرد آزما ہوں۔ کیونکہ دونوں کی منزل' غرض و غایت اور منتہائے مقصود ایک ہے۔

محشرستانِ فلسطین

دوسری جنگ عظیم سے لے کر آج تک فلسطین کے عرب عوام ظلم کی چکی میں پسے جا رہے ہیں صیہونی سامراجی سازشوں نے ان سے ان کے مسکراہٹوں



سے مہکتے ہوتے گھر رزق کے خزانے اگلنے والے سرسبز و شاداب کھیت اور مادرِ وطن کی وہ حسین و بے مثال گلیاں بھی چھین لی ہیں۔ جن کے دامن میں راحت' زندگی اور عزت و وقار ملتا تھا۔ پرامن اور ہنستی بستی عرب قوم کو جبراً ایسے گھر کر کے در در کی ٹھوکریں

انقلاب عظیم

اس عظیم انقلاب کو ناقابلِ تردید حالات نے جنم دیا ہے۔ عرب عوام نے ہر طرف سے مایوس اور مجبور ہو کر اس کٹھن، دشوار گذار، پُر آشوب اور پُر خار راستے کو اپنایا ہے۔ یہ کسی خاص طبقہ یا کسی ایک ظلم کے خلاف مذہبی، نسلی اور سیاسی جنگ نہیں ہے بلکہ یہ ایسا جامع و مانع دو وسیع المقاصد اور مقدس انقلاب ہے جس کی جڑیں ان محروم انسانوں کے قلب و جگر میں پیوست ہے۔ جن کو ان کے لئے اپنے محبوب وطن سے

دھکے دے دے کر باہر دھکیل دیا گیا۔ تاکہ اُن کی جگہ دوسرے غیر ملکیوں کو آباد کیا جا سکے۔ عالمی استعمار کی یہ ایک ایسی شرمناک اور غیر منطقی سازش اور شرارت ہے کہ شیطان کو بھی نہ سوجھی ہو گی۔

انقلابِ فلسطین کے سرفروش مجاہدین و قائدین اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی اس جدوجہد سے انسانی و اخلاقی اقدار کا گہرا تعلق ہے۔ یہی وہ اعلیٰ اقدار ہیں جن کو انقلابی نوجوانوں نے قلب و ذہن کی ہم آہنگی سے اپنایا ہوا ہے۔ دولت، حالات، مصلحتیں اور مادی قربانیاں ان اقدار کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ انقلاب کی روح وہ عظیم اصول ہیں۔ جن کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے الفتح نے آخری طور پر یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اصل بات تو اپنے وطن فلسطین کی آزادی ہے۔ فلسطین کو کھو کر کوئی متبادل حل ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اگر اصل مقصد کو بھلا کر کسی اور امر پر راضی ہو گئے تو اس کا مطلب ہو گا کہ انہوں نے انسان ہوتے ہوئے بھی اپنے جائز حقوق اور انسانی اصولوں سے انحراف کیا۔ ہر فرد کو اپنے وطن میں آزادانہ رہنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ حق نہ تو سمجھوتوں سے ختم ہو سکتا ہے، نہ اس کے لئے کسی سودے بازی کی گنجائش ہے۔ حرمتِ وطن اور ناموسِ قوم کا سودا کرنا، چہ معنی دارد۔؟

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی انسانوں نے اپنے اصل مقاصد' بنیادی اصولوں اور اعلیٰ انسانی، اخلاقی و آئینی اقدار سے روگردانی کی مادی مشکلات اور مصلحت اندیشیوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے اصولوں کو پسِ پشت ڈالا۔ وہ کبھی اپنی منزلوں تک نہ پہنچ سکے۔ اور زمانے کی بھول بھلیوں میں کہیں ایسے گم ہو گئے کہ پھر ان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔

انقلاب۔ مقصود زندگی

بنیادی حقوق کی جبری سلبی اور ظالمانہ پامالی پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا، کہاں کی دانش مندی ہے۔ انقلابِ فلسطین کے نامور بیٹے آزادی کے جیالے سپاہی بن کر دنیا کے تمام انسانوں کے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ بن گئے ہیں۔ انہوں نے ظالمانہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے علمِ جہاد بلند کر دیا ہے۔ ان کو فخر ہے کہ اپنے جیسے محروم انسانوں کی جدوجہدِ آزادی میں خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو رہی ہے، وہ برابر کے شریک، معاون اور مددگار ہیں۔ انسانیت کی بقا و تحفظ کا بنیادی نظریہ انقلابِ فلسطین کا روحِ رواں ہے۔ بلاشبہ جدوجہد آزادیٔ وطن کا مظہر فلسطینی انقلاب دنیا کے کروڑوں انسانوں کے جذبات کا ترجمان اور تمناؤں کا مظہر بن گیا ہے۔ ظلم و بربریت، جارحیت و تشدد کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام چھوٹی محکوم اور غلامی کے آہنی پنجہ میں جکڑی ہوئی اقوام کو اس انقلاب سے سبق حاصل کرنا ہو گا۔ انسانیت کی آزادی اور بہتری کے لئے انہیں بھی ظلم کی خوفناک چٹانوں سے ٹکرانا ہو گا۔

انقلابیوں کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ اس انقلاب کو الٹ دیں جو صیہونیت کے مکروہ اور بھیانک چہرے کو چھپائے ہوئے



الفتح تحریک تاریخِ انقلابات میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے

ہے۔ تاکہ تمام اہلِ زمین، انسانوں کے اس بدترین دشمن کو پہچان لیں۔ جسے بین الاقوامی راشی تحریکوں، مذہبی تعصب، صحافتی بددیانتی اور سرمایہ داروں کی ہوسِ زر نے جنم دیا ہے۔ اس تشدد پسند تنظیم کو نہ کسی جنگی اخلاق کا پاس ہے۔ نہ وہ کسی قانون کو مانتی ہے۔ شقی القلب شرپسند سازشی اور غنڈہ صفت افراد کے اس گروہ نے نازی ازم کے ظلم و ستم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اور کون ہے جو ان دردناک حقائق سے آگاہ نہیں۔

صیہونی درندوں نے پُرامن عربوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ آپ نے وہ خوفناک اور دل ہلا دینے والی تحریریں اور رپورٹیں تو ضرور پڑھی ہوں گی کہ نازیوں نے کن اذیت ناک مظالم سے یہودیوں پر قیامت ڈھائی۔ دراصل یہ پروپیگنڈہ جو وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر کیا گیا۔ ان شرمناک اور قیامت خیز مظالم کو چھپانے کے لئے تھا جو صیہونی بدکردار دہشت پسندوں نے عربوں پر ڈھائے۔ اور ڈھا رہے ہیں۔

اسرائیلی قومیت ایک ڈھونگ

بظاہر قومی حدود و قیود کے علمبردار، اور قومی وفاداریوں کے ڈھنڈورچی صیہونی درندے اسرائیل پر دنیا کے تمام یہودیوں کے حق میں نعرے بھی لگاتے ہیں۔ ڈھٹائی اور بے شرمی کی انتہا ہے کہ وہ اسرائیلی یہودیوں کو بھی ایک قوم سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری متعدد اقوام مثلاً روسی، عراقی، افریقی، امریکی، شامی اور پولش وغیرہ کے یہودیوں کو متعلقہ ممالک کی نہیں بلکہ اسرائیلی قوم سمجھ کر ان کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ ان کی اس حرکت کو اقوام متحدہ میں کئی بار چیلنج کیا گیا۔

صیہونیت نے فلسطین کی مقدس سرزمین میں بدترین سرمایہ دارانہ توسیع پسندانہ نو آبادیاتی نظام کو رائج کر رکھا ہے۔ فلسطین کے عوام کو دھکے دے دے کر ان کے وطن سے انہیں باہر دھکیل دیا گیا۔ تاکہ ان کی جگہ نو آبادکاروں کے لئے جگہ مہیا ہو۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی ان کی پہنچ ہے وہاں سے سرمایہ، محنت، افرادی قوت، ذرائع و علوم و فنون کے ماہرین کو عربوں کی جگہ لا کر آباد کیا گیا۔ جب کہ انہوں نے

الفتح

میونخ میں جرمن پولیس کا ایک افسر فدائین کو ہلاک کرنے کے لئے بم رکھ رہا ہے

مغربی جرمنی کے سرمایہ دار صیہونی تحریک پر کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں

بے حد و حساب دولت امریکہ سے بطور عطیات و امداد کے اس کے علاوہ بھی وصول کی۔ ساتھ ہی ساتھ کروڑوں روپے کی امداد مغربی جرمنی کے سرمایہ دار یہودیوں کے ذریعے بھی لگاتار آتی رہی ہے۔ یہ بات یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ نجی عطیات کی کروڑوں ڈالر کی رقم کے علاوہ، مغربی جرمنی کی حکومت کی طرف سے اسرائیلی افراد کو نجی طور پر فرداً فرداً بھی کروڑوں روپے بطور امداد کے برابر مل رہے ہیں۔

فلسطین کے انقلابی انسانیت کے دوست

انقلاب فلسطین، مظلوم کی حمایت اور ظالم کا مقابلہ کرنے کے بنیادی اصولوں پر گامزن ہے۔ ظالم خواہ نازی ہو یا غیر نازی، ظلم کسی یہودی پر ڈھایا جائے یا غیر یہودی پر انقلاب فلسطین کے سرفروش اور حق پرست مجاہدین ہمیشہ ہی ظالم کے مقابلے میں مظلوم کے ساتھی معاون و مددگار ہوں گے۔ نازی ازم کے مظالم کے وقت اسرائیل کا کہیں بھی وجود نہ تھا لیکن صیہونیت موجود تھی۔ یہی صیہونیت جو بین الاقوامی بلیک میل اور شرمناک سازشوں کی وجہ سے مشہور ہے اس وقت وہ جرمنی کے مردہ یہودیوں کی وارث بن بیٹھی تھی۔ اس غیر قانونی و بداخلاق تنظیم کو امریکہ سے بھیجے جانے والے ٹیکس سے مبرا اجارہ عطیات نے آج اس قابل بنا دیا کہ وہ آزاد دنیا کے لیے ایک خوفناک چیلنج بن گئی۔

دُشمن کون؟

فلسطین کے عرب عوام بخوبی آگاہ ہیں کہ کس ظالم نے انہیں بے خانماں و برباد کیا اور کس دُشمن نے انہیں اپنے پیارے وطن فلسطین سے محروم کر دیا۔ وہی بدکردار طاقتیں اسرائیل کی پشت پناہی کر کے اس کے گھناؤنے جرم میں کھلم کھلا شریک ہیں۔ وہ بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اسرائیل کا وجود ناجائز اور غیر قانونی ہے لیکن وہ اس کو بے دریغ اقتصادی مکمل سیاسی اور بے تحاشا فوجی امداد دیتے چلے جا رہے ہیں جس کے نتیجہ میں اسرائیل نے ان تمام ذرائع کو عربوں کو تباہ و برباد کرنے پر صرف کیا۔

نازی ازم کے لرزہ خیز مظالم

نازیوں نے یہودیوں پر واقعی مظالم ڈھائے تھے لیکن اس کی ذمہ داری یورپین و دیگر مغربی اقوام پر عائد ہوتی ہے۔ یہ اقوام اپنے شرمناک کرتوتوں پر پردہ ڈالنا چاہتی تھیں اور صیہونیت ان کے احساس جرم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ضروری سمجھتے تھے۔ اعلان بالفور اور تقسیم فلسطین دراصل ایسے مجرمانہ اور گھناؤنے اقدامات تھے کہ انہیں بے ایمانیوں کی انتہا کہنا چاہیے۔ صیہونیوں نے عالمی رائے عامہ کو یہ گمراہ کن تاثر دیا کہ فلسطین کی بخشش دے کر یورپی اقوام نے انصاف کے تقاضے پورے کر دیئے ہیں جبکہ یورپ اس بات پر مطمئن تھے کہ بلا سے فلسطینی جائیں بھاڑ میں۔ اس اقدام سے دنیا کم از کم یہ تو سمجھے گی کہ ہم میں رحم دلی بھی موجود ہے۔ اس طرح دو مجرمانہ ذہن رکھنے والی قوتوں نے فلسطین کے عوام کو قربانی کا بکرا بنا دیا اور اپنا اپنا اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کی۔

فلسفہ انقلاب

انقلاب فلسطین کے اراکین و قائدین (بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، عقیدہ، موسمی و جغرافیائی حالات وغیرہ) ہر اُس جرم کی مذمت کرتے ہیں جو انسانیت کے خلاف روا رکھا جائے جو کچھ فلسطینی عوام پر بیتی ہے وہ بھی حد سے بہت ہی آگے بڑھی ہوئی بات ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ نازیوں کے مظالم کا بدلہ فلسطینی عوام سے لیا جائے اور یورپی جرائم کی زد سے بچ نکلنے والوں کو بسانے کے لیے فلسطینی عوام کو ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے اور انہیں بے گھر، بے وطن اور بے یار و مددگار کر دیا جائے۔

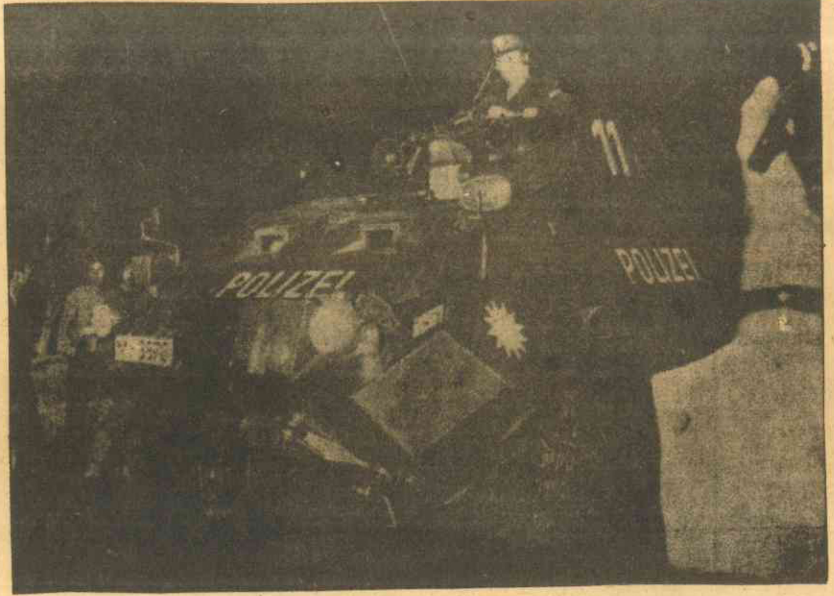
جہاں تک نازیوں کے لرزہ خیز مظالم کا تعلق ہے انقلاب فلسطین کا ایک ایک رکن اس کی پُرزور مذمت کرتا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں کسی کو کوئی غلط فہمی ہو تو وہ اب دُور کر لے۔ انقلاب فلسطین ظلم اور بے انصافی کے خلاف انسانیت کا محافظ ہے لہٰذا یہ ہر ظلم کی مذمت کرتا ہے خواہ وہ جرمنی یا یورپ و ایشیا کے کسی بھی علاقے میں کسی فرد یا افراد یا گروہ کی طرف سے ہو، خواہ وہ صیہونی درندگی کی بدترین مثالوں کی صورت میں۔ دیر یاسین، کیبیا، قلقیلیہ، سمعہ، امواص، بیت نوبہ، خان یونس غزہ، رفعہ اور اربد وغیرہ وغیرہ میں ہو۔

الفتح کے انقلابیوں کا نقطہ نظر

ہم سے ہمارا وطن، ہمارے کھیت، ہمارے گھر، سکھ چین ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا چھین کر ہمیں گمنامی و بربادی کے عمیق ترین غاروں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ ہماری قوم برباد، خاندان منتشر، خواتین بے آبرو اور بچے آوارہ کر دیئے گئے ہیں۔ ہمارے پاس صرف ایک سرمایہ باقی ہے جان نقد اور غیرت ملی۔ ہم نے ناموس وطن پر قربان ہو جانے کی قسم کھائی ہے۔ اب دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس مقدس جہاد سے ہرگز ہرگز نہیں روک سکتی۔ ہم کبھی سیز فائر نہیں کریں گے یا تو وطن آزاد ہو گا یا پھر ہمارے خون سے سیراب ہو گا۔ یہ خون، وطن ہی کی امانت، ہم اس کی یہ امانت اس کو لوٹا دیں گے۔

تمام دُنیا اور ہمارے دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انقلابِ فلسطین ایک مقدس، جائز، فطری اور عظیم الشان جہاد ہے

الفتح



جرمن پولیس نے ان کمروں کو گھیرا ہوا ہے جن پر فدائین قابض ہیں ۔

صیہونیت نے نازی ازم کے ظلم و ستم کو مات کر دیا

یہ ہنگامی فیصلہ، وقتی جد وجہد یا جذباتی اشتعال انگیزی نہیں ہے بلکہ آج سے برسہا برس پہلے، پہلی جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں کے ناروا طرزِ عمل نے اس انقلاب کو جنم دیا تھا یہ آج کی پیداوار نہیں ہے

اعلان بالفور

۱۹۱۷ء کے "اعلان بالفور" کے بدنام معاہدے نے غیرتِ ملّی اور حب الوطنی کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ وطن عربوں کا تھا لیکن فرنگی ظلم وجبر کے سائے میں، اسے صیہونیت کے حوالے کیا جا رہا تھا۔ برطانوی حکام اور صیہونی درندوں کی سازش یہ تھی کہ فلسطین میں یہودی ریاست عربوں کے لیے ایک تباہ کن اڈا ثابت ہوگی اور نہر سویز کے قرب وجوار میں ہونے کی وجہ سے سویز پر برطانوی تسلّط کو قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوگی۔ اس طرح پورا مشرقِ وسطیٰ ان دونوں غاصبوں کے دباؤ تلے رہے گا۔

اس وقت اسرائیل کو ختم کرنے کے لیے کسی انقلاب کی ضرورت نہ پڑتی اگر سامراجی طاقتیں اس کی پشت پناہی نہ کرتیں۔ ایک طرف تو عالم یہ تھا کہ صیہونی درندوں کو ہر طرح کی امداد اور تحفّظ حاصل تھا۔ دوسری طرف عرب عوام تھے جو بے یار و مددگار تھے۔ برطانوی ظالم افواج نے عوامی جد وجہد کو سنگینوں سے دبا دیا۔ ان کا رویّہ سفاکانہ تھا۔ وہ دُنیا کے بدترین شقی القلب اور ظالم سپاہی ثابت ہوئے۔ ظلم و بربریت کے اس بدترین سنگین دور میں بھی ۱۹۳۶ء میں فلسطینی عوام نے ایک عظیم الشان شش ماہی ہڑتال جاری رکھی۔ ۱۹۴۸ء سے پہلے بھیانک برطانوی سامراج کے خلاف کی جانے والی یہ ہڑتال تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس ہڑتال کو ناکام بنانے اور عرب عوام کو کچلنے میں ظالم برطانوی سامراج نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

اپنی تمام تر قوتوں کو مجتمع کر کے اور تمام ذرائع بروئے کار لاکر، برطانوی سامراج اور صیہونی درندوں نے انقلاب کو ختم کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ ادھر تو ظلم و ستم کا یہ خونیں ڈرامہ جاری رہا اور ادھر دُنیا پر دوسری جنگ عظیم کے بادل منڈلانے لگے۔ برطانوی سامراج نے ایک اور سیاسی چال چلی۔ اس وقت کے تمام عرب شہنشاہوں اور ریاستوں کے سربراہوں کو اس امر پہ راضی کر لیا کہ اس وقت خاموشی اختیار کر لی جائے اور ان کو یہ جھکمہ دیا کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد فلسطینی عوام سے یقیناً انصاف کیا جائے گا۔

لیکن برطانوی حکمرانوں نے دوسری جنگ کے خاتمے پر پھر دھوکہ دیا۔ جیسا کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد دیا تھا —— ونگیٹ اور دیگر دہشت پسند تنظیموں نے یہودی سپاہیوں اور افسروں کو خطرناک جنگی تربیت دینی شروع کر دی۔ یہودی تارکین وطن کا سیلاب آنا شروع ہو گیا۔ صیہونی نو آباد کاروں کی آبادیاں بڑی سرعت سے دُور دُور تک پھیلنی شروع ہو گئیں اور عرب عوام کو خوفزدہ کرنے کے لیے ذلیل ترین ہتھکنڈے استعمال ہونا شروع ہو گئے۔

فلسطینی قائدین کو ملک بدر کر دیا گیا۔ کچھ کو جیل خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اور ایک ایک گھر کی تلاشی شروع ہو گئی۔ اوّل تو بے چارے عربوں کے پاس اسلحہ تھا ہی نہیں اور اگر بدقسمتی سے کسی کے پاس پڑوس سے کوئی آتشیں اسلحہ نکل آتا تو اسے گولی سے اڑا دیا جاتا یا پھر جیل کی تاریک کوٹھریوں میں پھینک دیا جاتا۔ کم سے کم سزا ۵ سال قید با مشقت تھی۔

پھر ۱۹۴۷ء بین الاقوامی سازشوں کا دور آیا۔ برطانیہ اس دلدل سے نکلنا بھی چاہتا تھا اور اپنا اثر ورسوخ اور دھونس بھی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ ظالم فرنگیوں کی جگہ سنبھالنے کے لیے صیہونی فوجی مکمل طور پر تربیت یافتہ اور کیل کانٹے سے لیس کیے جا چکے تھے، اس لیے برطانیہ مطمئن تھا کہ اس کی ٹانگ ہمیشہ اوپر ہی رہے گی۔ لہٰذا یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا گیا۔ عرب عوام نے اس غیر متوقع اور ظالمانہ رویے کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور کسی قسم کی تیاری نہ ہونے کے باوجود ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ عمل میں نکل آئے۔

۱۹۴۸ء کا المیہ

۱۹۴۸ء کے المیہ نے نصف سے زائد عربوں کو بے گھر اور بے خانماں برباد کر دیا۔ گھر، دیہات، قصبے اور شہر برباد ہوئے اور عرب قوم کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ بے گھر اور بے یار و مددگار فلسطینی عوام مہاجرین کیمپوں کی ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے گئے تاکہ وہ وہاں بے جان لاشوں کی طرح، خوف سے سہمے ہوئے خاموش پڑے رہیں۔ سیاسی بے ایمانیوں کی انتہا یہ ہے کہ فلسطینیوں سے توقع رکھی گئی کہ ہر ظلم سہیں اور اف نہ کریں۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر اب تک مہاجرین کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ کبھی ان کا تذکرہ بھی کیا جائے۔

امن کے ڈھنڈورچی اپنی سیاسی سرگرمیوں میں ہمیں کچھ اس طرح نظر انداز کرتے چلے آ رہے ہیں کہ جیسے فلسطینیوں کا وجود ہی نہ ہو۔ کیا یہ سیاسی بے ایمانیوں کی انتہا نہیں؟ ۱۹۴۸ سے لے کر اب تک کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر سازشوں کے جال نہ بنے گئے ہوں۔ ہر وہ شخص جو اس مسئلہ کا جائزہ لیتا ہے یا لے گا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔

فلسطین فلسطینیوں کا مسئلہ ہے

المیہ فلسطین کا سب سے تاریک اور افسوسناک پہلو یہ ہے

کہ اسے عرب ریاستوں اور اسرائیل کا مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ فلسطینی عوام جو براہ راست اس مسئلہ سے متعلق ہیں اور متاثرین ہیں ان کے وجود سے بھی انکار کر دیا جائے۔ اس سے انکار نہیں کہ المیہ سے پوری عرب دُنیا کی عزت و وقار اور آزادی وابستہ ہے لہٰذا ان کو یعنی تمام عرب عوام کو میدان عمل میں نکل آنا چاہیئے۔ انقلابی اس کے لیے پوری ایمانداری اور جوش و خروش سے کوشاں ہیں۔

صیہونیت ایک اور خطرناک چال چل رہی ہے اور یہ انقلاب کے خلاف سب سے بڑی سازش ہے کہ فلسطین کے مسئلہ کو بین الاقوامی تنازعات میں پھنسا دیا جائے تاکہ اس کے اصلی خدوخال چھپائے جا سکیں۔ ایسا کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس مقدس جہاد کو تمام مغربی طاقتوں اور خصوصاً امریکہ بہادر کے خلاف مشرقی اقوام کی بغاوت بنا دیا جائے اور اس طرح اسے غلط رنگ دے کر ناکام بنایا جا سکے۔

جون ۱۹۶۷ء کی ہزیمت اور تباہ کاری نے تمام تر بربادیوں کے باوجود، انقلاب کے لیے راستہ ہموار کیا ہے اور الفتح کی قیادت ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ بنی ہے۔ وہی عظیم الشان الفتح جس نے نامساعد حالات میں اسرائیل کے جبر و تشدد اور بربریت، اپنے شہیدوں کے خون کا حساب لینے اور وطن کا خراج وصول کرنے کے لیے مقبوضہ فلسطین کے شہر غزہ میں ۱۹۵۶ء میں جنم لیا۔ جب مصر کے خلاف دُنیا کے تین بدنام سامراج میدان جنگ میں کھلی جارحیت کرتے ہوئے شیطان بن کر نکل آئے تھے۔

فتح مقدّر بن چکی ہے

۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۵ء تک کا زمانہ بڑا ہی تکلیف دہ زمانہ تھا۔ قدم قدم پر، گلی گلی میں، ذرے ذرے پر پہرے تھے فوجی آمریت کے ظلم و استبداد زبانوں پر تالے، پاؤں میں زنجیریں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ انقلابِ فلسطین نے خاموشی سے اپنی شیرازہ بندی کی اور اسے خفیہ رکھا۔ یہ وقت ذہنی و فکری انقلاب، تنظیم اور حالات کا تفصیلی جائزہ لے کر اپنی کمزوریوں سے آگاہی میں گزر گیا۔

دشمن تاریخ کا سب سے بڑا چالباز، ظالم، سفّاک اور بے ایمان ہے اس لیے انقلابی تحریک نے اس کی سازشوں سے نپٹنے کے ذرائع و طریقہ ہائے کار پر خوب غور کیا۔ اپنے راستے اور منزل کا تعین کیا صیہونی سامراجی سازشوں سے نپٹنا کوئی آسان کام نہیں۔ بہرحال مجاہدین کو معلوم ہے کہ وہ کہاں سے چلے کس راستہ پر جا رہے ہیں اور ان کی منزل کونسی ہے۔ انہیں اپنی قوتِ ایمانی پر مکمل بھروسہ اور خود اعتمادی پر یقین ہے فتح ان کا مقدر ہے

مختار کریمی

غزل

باہر نکلو حبس میں اب تک کیا کیا ارماں جھلس گیا
پھیل گئی مٹی کی خوشبو پہلا بادل برس گیا!

قتل گہوں میں کیا رکھا ہے مٹی جو گلرنگ ہوئی
ہم جلنے والوں سے پوچھو کیا کیا عیسیٰ نفس گیا

پیار میں کتنے پتھر پوجے پیشانی بولے تو سنو
پیاسے دل کا حال نہ پوچھو لفظوں کو بھی ترس گیا

سورج گھوما، دھرتی ٹھہری، کیا موسم تھے کیا برسات
گلشن گلشن بادل برسے کھیت ہمارا جھلس گیا

زخمی بازو سخت نہیں ہیں لیکن اب بھی زندہ ہیں
اک اک تیلی ٹوٹ رہی ہے لو دیکھو وہ قفس گیا

سائرنوں کی آوازوں میں گونج رہا ہے کوسِ سفر
راہِ خُلد پر چلنے والو عہدِ صدائے جرس گیا!

کیا کیا چھاؤں ملی رستے میں لیکن تم نہ رُکے مختار!
دھوپ میں چلتے چلتے شاید دل بھی تمہارا جھلس گیا

میونخ میں فدائین کا کارنامہ

تاریخی لمحات کی تفصیلات

مغربی جرمنی کے دارالحکومت میونخ میں ۲۰ویں عالمی مقابلوں کے دوران اولمپک بستی میں اسرائیل کے کھلاڑیوں کے کوارٹر پر فلسطینی فدائین کا حملہ جس ڈرامائی انداز میں ہوا، اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

● منگل ۵ ستمبر کو مقامی وقت کے مطابق صبح ۴ بجے "بلیک ستمبر" فدائی تنظیم کے ۵ چھاپہ ماروں نے اولمپک بستی میں واقع کھلاڑیوں کے کوارٹر میں پُراسرار طور پر داخل ہو کر حملہ کیا اور دو اسرائیلی کھلاڑیوں کو ہلاک کر کے باقی نو اسرائیلی کھلاڑیوں کو یرغمال کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور اسرائیلی کھلاڑیوں کے کوارٹر میں محصور ہو گئے۔

● فدائین نے یرغمال کے طور پر اپنے قبضے میں لئے ہوئے نو اسرائیلیوں کو رہا کرنے کے لئے یہ شرط رکھی کہ فلسطین کے ان دو سو قیدیوں کو چھوڑا جائے جنہیں اسرائیل نے قید کر رکھا ہے۔ فدائین نے اس شرط کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی کہ انہیں مغربی جرمنی سے بحفاظت لبنان اور اردن کے سوا کسی بھی عرب ملک میں پہنچانے کی ضمانت دی جائے۔

● ۷ بج کر ۴۴ منٹ پر پولیس نے اسرائیلی کھلاڑیوں کی قیام گاہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ تب میونخ پولیس کے سربراہ اور اولمپک بستی کے میئر نے فدائین سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ ان مذاکرات کے نگران مغربی جرمنی کے وزیر داخلہ تھے۔

● ۱۲ بجے فدائین نے اپنے مطالبات کے لئے جو پہلی معیاد مقرر کی تھی وہ ختم ہوئی مگر مذاکرات جاری رہے۔

● ایک بج کر ۲۰ منٹ پر چھاپہ ماروں کے لئے دوپہر کا کھانا لایا گیا۔ فدائین نے سفید پٹیوں کی مدد سے کھانے کے پیکٹ وصول کئے۔

● ۲ بجے فدائین کی دوسری معیاد ختم ہوئی۔ مغربی جرمنی نے دوسرا ٹیلی ویژن چینل معطل کر دیا۔ اور ایسا انتظام کیا کہ فدائین تک کوئی خبر نہ پہنچ سکے۔

● ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر میونخ پولیس کے سربراہ نے اسرائیلی کھلاڑیوں کی قیام گاہ کا محاصرہ کرنے والی پولیس کو حکم دیا کہ انہیں موقع ملے تو فدائین پر گولی چلا دیں۔

● ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر مغربی جرمنی کے چانسلر صورت حال کا اندازہ لگانے کے لئے موقع واردات پر پہنچے۔

● ۲ بج کر ۲۰ منٹ پر اولمپک بستی میں ہیلی کوپٹر اترا اور پھر دوبارہ پرواز کر گیا۔

● ۳ بجے سہ پہر مصری، ۱۰۰ افراد پر مشتمل ٹیم اولمپک بستی سے ہٹ گئی

دریں اثناء ۱۵۰ اسرائیلیوں کا ایک گروہ اس واقعہ کے خلاف بطور احتجاج دھرنا مار کر بیٹھا مگر مذاکرات جاری رہے۔

● ۳ بج کر ۵۴ منٹ پر اولمپک کے ترجمان نے بتایا کہ فدائین نے اپنے مطالبات کے لئے ۵ بجے شام تک کی معیاد مقرر کر دی ہے۔

● ۴ بجے اولمپک سوئمنگ ہیرو، جو کہ یہودی ہے، کو بحفاظت امریکہ بھیج دیا گیا۔

● ۴ بج کر ۵۴ منٹ پر میونخ پولیس کے سربراہ اور اولمپک بستی کے میئر اسرائیلی کھلاڑیوں کی قیام گاہ پر فدائین سے بات چیت کرنے کے لئے آئے۔

● ۵ بج کر ۰۵ منٹ پر مغربی جرمنی کے چانسلر نے ٹیلیویژن پر اعلان کیا کہ مغربی جرمنی کے ممتاز سیاست دانوں نے نو اسرائیلی کھلاڑیوں کے بجائے یرغمال کے طور پر رہنے کی پیش کش کی تھی۔ مگر فدائین نے اُسے منظور نہیں کیا۔

● ۸ بجے اولمپک بستی کو مکمل طور پر محاصرہ میں لے لیا گیا مگر ۵۴ منٹ بعد ہی یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

● ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر فدائین کو نو اسرائیلیوں کو چھوڑنے کے لئے منہ مانگی رقم کی پیش کش کی گئی۔ مگر چھاپہ ماروں کے نامعلوم لیڈر نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ انہیں دولت اور جان کی کوئی پرواہ نہیں۔

● ۸ بج کر ۳۰ منٹ کے درمیان دو ہیلی کوپٹر اولمپک بستی میں اترے۔

● ۹ بجے اسرائیلیوں کی قیام گاہ کے باہر پہرہ دینے والے پولیس کے افراد کے لئے ریفریشمنٹ لایا گیا۔

● ۱۱ بجے بس کے ذریعہ یرغمال اسرائیلیوں اور فدائین کو تین ملٹری ہیلی کوپٹروں کے پاس لایا گیا۔

● ۱۱ بج کر پندرہ منٹ پر پہلا ہیلی کوپٹر یرغمال اسرائیلیوں کو لے کر محو پرواز ہوا اور ۲ منٹ بعد باقی دو ہیلی کوپٹر روانہ ہوئے۔

● ۱۱ بج کر ۲۵ منٹ پر مغربی جرمنی کے چانسلر نے کہا کہ ان کی حکومت اس معاملے میں خون خرابے سے گریز کر رہی ہے۔

● ۱۱ بج کر ۵۴ منٹ پر فدائین اور یرغمال اسرائیلی فرسٹن فیلڈ بروک ایئرپورٹ پہنچے اور فوراً ہی چھاپہ ماروں اور پولیس میں گولی چلنی شروع ہو گئی۔ پولیس کے سربراہ نے کہا کہ پہلے گوریلا نے گولی چلائی تھی جب کہ بعد میں اس کی تردید کر دی گئی۔

● ۱۲ بج کر تینتیس منٹ پر میونخ پولیس کے ایک افسر نے کہا تمام یرغمالی اسرائیلیوں کو رہا کرا لیا گیا اور چار فدائین کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب کہ ایئرپورٹ کے حکام نے بتایا کہ ایک فدائی فرار ہو گیا اور بعض افراد زخمی ہوئے۔

● ۱۲ بج کر ۴۰ منٹ پر عینی شاہدوں نے بتایا کہ جب چھاپہ مار اپنے گھیرے میں لے کر یرغمال اسرائیلیوں کو پہلے سے کھڑے ہوئے لفتھنسا کے بوئنگ طیارہ کی جانب لے کر بڑھے تو محافظوں نے چھاپہ ماروں پر گولیاں چلائیں۔ بعد ازاں وزیر داخلہ نے ایئرپورٹ واردات کی خبر کا مکمل طور پر بلیک آؤٹ کرنے کا حکم دیا۔

● ۱۲ بج کر ۴۴ منٹ پر مغربی جرمنی کے حکام نے بتایا کہ فدائین اور یرغمال اسرائیلیوں کے ہیلی کوپٹر میں منتقل کرنے کے بعد اسرائیلیوں کی قیام گاہ میں تین عربوں کو زخمی حالت میں پایا گیا

● ۱۲ بج کر ۵۴ منٹ پر ایک سرکاری ترجمان نے کہا کہ مغربی جرمنی کے چانسلر نے مصر کے صدر انور سادات سے بات کی، مگر کچھ دیر بعد ترجمان نے کہا کہ چانسلر نے مصر کے وزیر اعظم کو صورتحال سے آگاہ کیا ہے۔

● بدھ ۶ ستمبر کو رات ۱۲ بج کر ۵۴ منٹ پر رائٹر کے رپورٹر (جو کہ ایئرپورٹ پر موجود تھے) نے نصف شب کو بتایا کہ ابھی تک گولی چل رہی ہے۔ آرمرڈ کاریں ایئرپورٹ میں داخل ہوئیں اور ایئرپورٹ کی عمارت کے عقب میں دھوئیں کے بادل دیکھے گئے۔

● رات ایک بجے پولیس نے اس کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا۔ کہ اسرائیلی قیام گاہ سے ۳ زخمی عرب پائے گئے۔

● ایک بج کر ۴۰ منٹ پر گولی چلنی بند ہو گئی اور دو عربوں نے ایئرپورٹ سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ بات اولمپک کے پریس چیف نے بتائی۔ انہوں نے وزیر داخلہ کے حوالے سے کہا کہ ایئرپورٹ پر کوئی ہلاک نہیں ہوا۔

● ۳ بج کر دس منٹ پر ایک فوجی ترجمان نے بتایا کہ ۹ یرغمال اسرائیلی مع ایک پولیس مین کے ہلاک ہو گئے۔

● ۳ بج کر ۲۰ منٹ پر مغربی جرمنی کے وزیر داخلہ نے کہا کہ ۹ یرغمال اسرائیلیوں کے ساتھ ۴ فدائین بھی ہلاک ہو گئے۔ پھر انہوں نے ڈرامائی انداز میں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک یا دو یرغمال اسرائیلی زندہ بچ جائیں۔

● ۴ بج کر ۳۰ منٹ پر اولمپکس پریس چیف نے کہا کہ فدائین یرغمال اسرائیلیوں کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں ہی ہلاک ہوئے جب کہ انہوں نے مشین گن کے ذریعے گولیوں کی بوچھاڑ کی۔

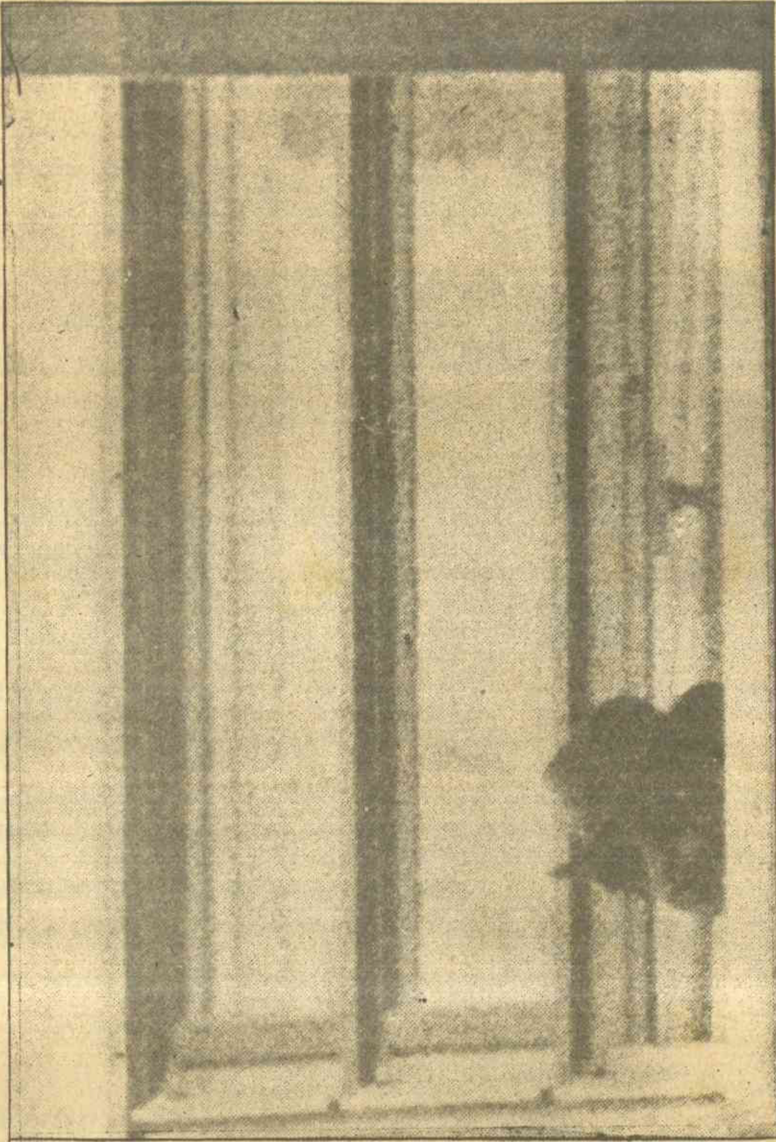
● ۴ بج کر ۴۰ منٹ پر عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ لاشوں کے ساتھ صرف ایک عورت تھی اور یہ ہیلی کاپٹر کے ایک پائلٹ کی لاش تھی جو کہ ہیلی کاپٹر سے پولیس اور فدائین کے تصادم کے دوران نیچے گر گیا تھا اور گولی لگنے سے ہلاک ہو گیا تھا۔ ایک اور پائلٹ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

فدائین کے تاریخی کارنامے
کی نادر تصاویر

میونخ آپریشن

* * *

اولمپک ۷۲ء



ایک فدائی اس کمرے کی کھڑکی سے جھانک رہا ہے، جہاں پر اسرائیلی کھلاڑیوں کو بند کیا تھا



ایئرپورٹ پر ایک حریت پسند کی لاش پڑی ہے۔ پس منظر میں جرمن نشانہ باز نظر آرہے ہیں (فوٹو: اے پی)



ہیلی کوپٹر فرسٹن فیلڈ بروک ایئرپورٹ پر۔ جیسے ہی ہیلی کوپٹر زمین پر اترا، جرمن پولیس نے فائرنگ شروع کر دی (فوٹو: اے پی)

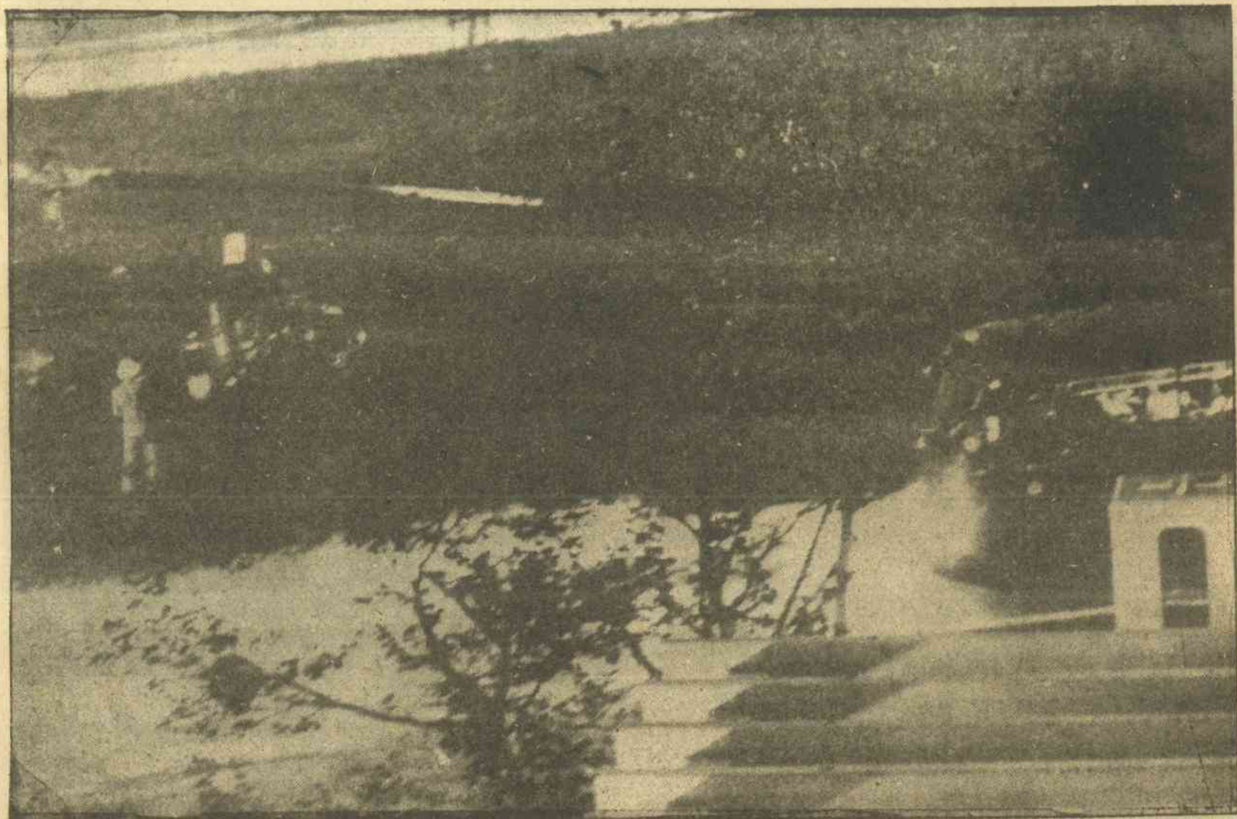


ہیلی کوپٹر۔ جس میں فدائین اور یرغمالی اسرائیلیوں کو فرسٹن فیلڈ بروک ایئرپورٹ لایا گیا (فوٹو: اے پی)



مغربی جرمنی کے وزیر اعلیٰ افسران کے ساتھ پریس کانفرنس میں "میونخ المیہ" کی تفصیلات بتا رہے ہیں

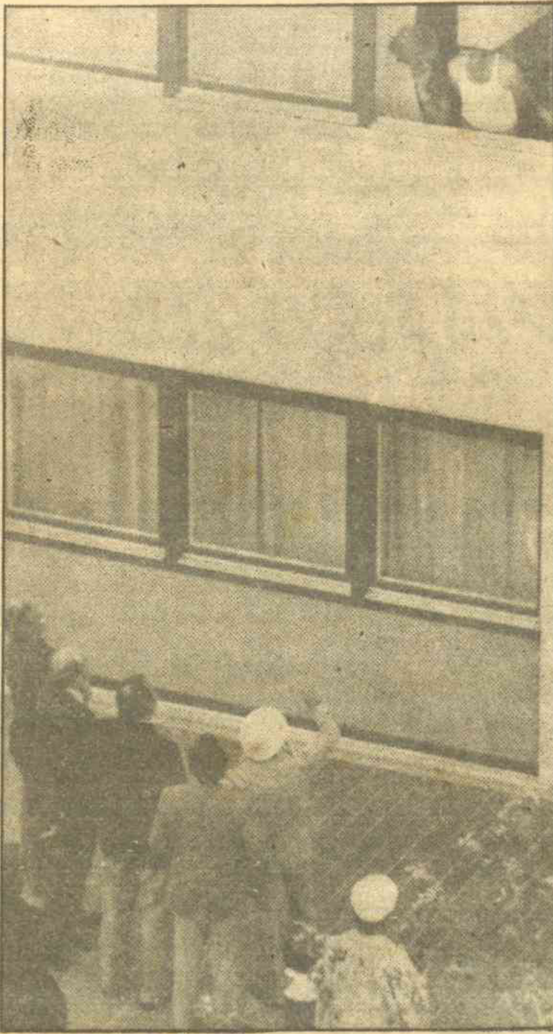
جرمن پولیس ان کمروں کو گھیرے میں لے رہی ہے جن میں فدائین نے اسرائیلیوں کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے



حریت پسند اسرائیلیوں کو ہیلی کوپٹر میں سوار کرا رہے ہیں۔



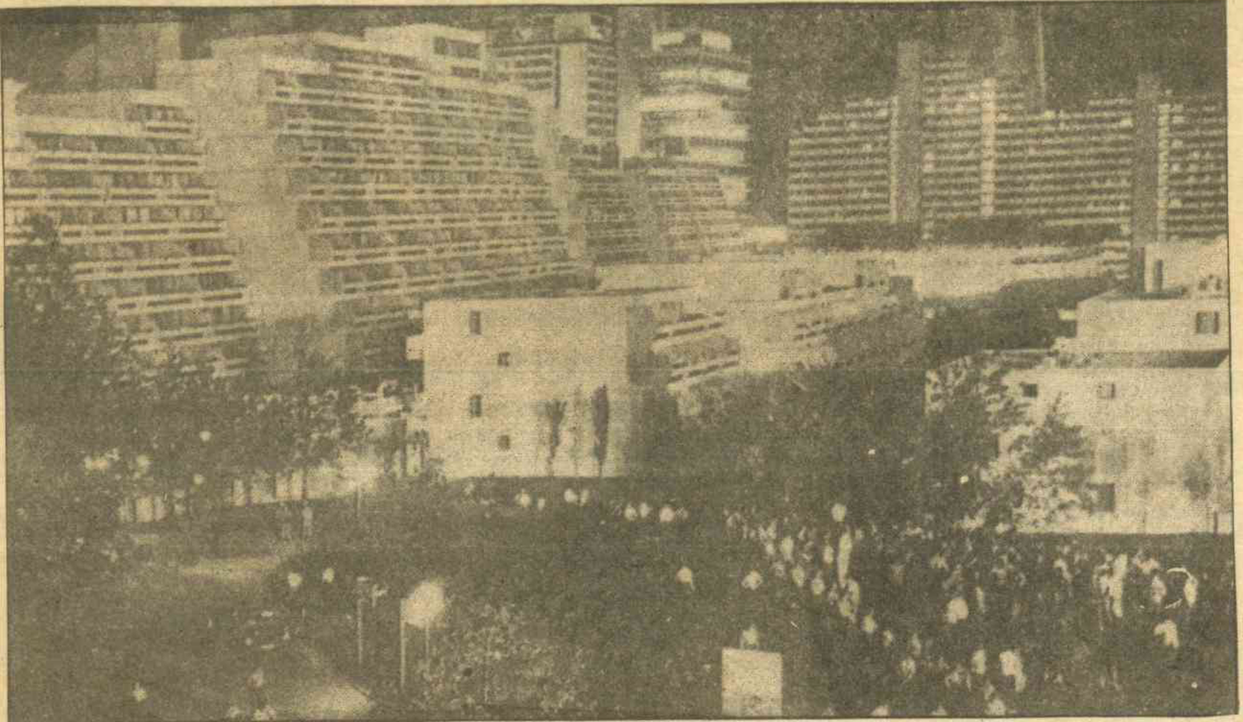
کھلاڑیوں کے لباس میں جرمن پولیس کے دو افسر



مغربی جرمنی کے اعلیٰ افسر عرب فدائین سے گفتگو کر رہے ہیں



ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا



اسرائیلیوں کے کمروں پر حریت پسندوں کے قبضے کے بعد کمروں کی بتیاں پوری رات جلتی رہیں



معاشی تقاضے شدید نہ ہوتے تو

میں یہ سامراجی فلم ڈائرکٹ نہ کرتا

ممتاز فلم ساز و ہدایتکار ضیاء سرحدی نے الفتح کے لئے لکھا

مگر پوسٹ مین کے بننے کے بعد میری فلمی اور ذہنی جدو جہد کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

اس دَور میں مَیں نے اگرچہ کچھ فلم لکھے اور ایک یا دو ڈائریکٹ بھی کیے لیکن میرے نزدیک نہ اس وقت ان کی کوئی اہمیت تھی اور نہ اب ہے۔ مجھ کو بلاشبہ ایک مثبت زاویہ فکر کی تلاش تھی اور منزل بہ منزل میری یہ جستجو شدت اختیار کرتی جا رہی تھی مگر ہنوز ہر قدم پر ناکامیوں کے اندھیرے ہی امنڈ رہے تھے، تباہیاں ہی دامن گیر ہو رہی تھیں اور نتیجتاً میرے اندر مایوسیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پیدا ہونے لگ گیا تھا۔ رفتہ رفتہ میں اپنی نظروں ہی میں کچھ اس قدر نااہل ثابت ہونے لگا کہ میں نے ایک عرصۂ دراز کے لیے خود کو دُنیائے فلم سے بالکل کاٹ کے رکھ دیا۔ اب کیا تھا میں اور شام سحر کی شہر نوردی، کبھی یہاں، کبھی وہاں، کبھی اِس کے ساتھ کبھی اس کے ساتھ۔ ان ایام میں بہت سے نئے لوگ میری زندگی میں آئے جن میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی تھے، ادیب، شاعر، مصور اور موسیقار بھی تھے۔ غنڈے، تودہ لیتے اور انقلابی فکر و نظر کے لوگ بھی تھے۔

کچھ ایسے ہی واقعات کے مد و جذر میں زندگی کٹ رہی تھی کہ ایک دن محبوب کے دفتر میں ایک فلمساز نے مجھ کو ایک فلم بنانے کی پیشکش کر دی اور میں نے معاشی تقاضوں کے پیش نظر اس کو قبول کر لیا۔ یہ فلم ایک پراپیگنڈہ فلم تھی جو دوسری جنگ عظیم کے متعلق انگریز سرکار کے زاویہ نگاہ سے سوچی گئی تھی اگر معاشی تقاضے شدید نہ ہوتے تو شاید میں یہ سامراجی فلم قبول ہی نہیں کرتا مگر جیسے تیسے یہ ذمہ داری مجھے لینا ہی پڑ گئی۔

ظاہر ہے کہ اس فلم کی بنیادی ہدایات تو خاص سرکاری دفتر سے مل رہی تھیں مگر اس کی کاسٹنگ میں مجھ کو پوری آزادی حاصل تھی۔ چنانچہ اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ایک تجربہ کر ڈالا اور وہ یہ تھا کہ میں نے اس فلم کے لیے ایک غیر رسمی قسم کا ہیرو چُنا جو اس دَور کا ایک معروف ایکٹر تو تھا مگر لیڈ کے لیے کبھی مناسب نہیں سمجھا گیا تھا۔ اس ہیرو کے ساتھ جس نئی مرہٹہ لڑکی کو میں نے ہیروئن کا رول ادا کرنے کے لیے منتخب کیا وہ بمبئی کے ایک برگزیدہ ہندو BANKER کی صاحبزادی تھی۔ اخلاقاً اور مصلحتاً میں اس دوشیزہ کا نام یوں نہیں تحریر کرنا چاہتا کہ وہ اس فلم کے بعد فوراً دُنیائے فلم سے علیحدہ ہو گئی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے شادی کر لی لیکن جتنے دن وہ اس فلم میں کام کرتی رہی میرے اس کے مراسم بتدریج گہرے



ہوتے چلے گئے۔ اور رفتہ رفتہ ہم دونوں اس قدر ایک دوسرے کے قریب آ گئے کہ اس مقام سے ہٹنا اب ہمارے لیے حد درجہ مشکل ہو گیا۔ چند ماہ پہلے میں اگرچہ شادی کر چکا تھا مگر میری ازدواجی زندگی بہت ناخوشگوار تھی! اور میں اس سے بہر صورت نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور پھر ادھر اس مرہٹہ دوشیزہ نے فلم کے آغاز ہی میں مجھ کو بہت ہی متاثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اصلاً میرے اس کے مراسم کی ابتدا باہمی احترام سے شروع ہوئی۔ اس نے پولٹیکل سائنس میں ایم اے کیا ہوا تھا اور یوں بھی اس کے سیاسی شعور میں بلا کی پختگی تھی۔ ایک رجعت پسند خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود وہ حد درجہ ترقی پسند تھی اور بالعموم اس کی گفتگو قدامت پسندی، کہنہ روایات اور معاشرے کی دیگر تنگ نظریوں کے خلاف ہوا کرتی تھی باوجودیکہ اس کی مادری زبان مرہٹی تھی اور عام طور پر وہ انگریزی ہی بولتی تھی مگر اس کو اُردو سے ایک والہانہ لگاؤ تھا۔ وہ مجھ سے غالبؔ اور میرؔ کے اشعار سنتی اور بعض اشعار سُن کر اور سمجھ کر اور بے اختیار ہو کر تڑپ تڑپ بھی جاتی۔ انگریزی شعرا میں بائرن اس کا من چاہا شاعر تھا اور جس کے اشعار وہ مجھ کو سناتی اور باندرہ پوائنٹ پر سمندر کے کنارے میری اس کی یہ ادبی محفلیں رات کے بارہ بارہ اور ایک ایک بجے تک بھی چلتی رہتیں۔

اس دوشیزہ کے کردار کے چند نقوش اس قدر غیر معمولی حیران کُن اور سحر آفریں تھے کہ ان کی گرویدگی میرے لیے قطعًا ناگزیر تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ سادگی کو نسائیت کا پہلا اور آخری سنگھار سمجھتی تھی اور اسی یقین کی بنا پر وہ ہمیشہ سادہ لباس پہنا کرتی تھی۔ اس کی ملاقات سے قبل کھلنڈرے نوجوانوں کی طرح میری پوشاک میں بھی ایک حد تک بھڑکیلا پن ہوا کرتا تھا۔ لیکن اپنی اس محبوبہ کی ہدایت پر میں نے اپنا وہ سارا طرزِ عمل بدل دیا۔ اور اس کے پسندیدہ سفید، نسواری رنگوں کو اپنا لیا۔ اور پھر عرصہ دراز تک انہی رنگوں کے کپڑے پہننا میرا معمول ہو گیا۔ اس کی زندگی کا دوسرا حسین پہلو کلاسیکی موسیقی کا عشق تھا۔ یہ اسی کی عنایت تھی کہ رفتہ رفتہ میری رُوح میں بھی اسی رنگ موسیقی کا لگاؤ پیدا ہونے لگا۔ اور جس کی پوجا میں نے اب بھی نہیں چھوڑی۔ اس سحر طراز دوشیزہ کا دوسرا رُخ اس کی ہوش رُبا خود اعتمادی تھی جو کبھی کبھی ایک حسین پندار کی شکل میں بھی نظر آ جاتی تھی۔ اوروں کا اس معاملہ میں ردِ عمل کیا ہوتا ہوگا میں نہیں جانتا مگر اس کا وہ مشکیں حسن پندار میرے لیے قطعًا ناقابلِ مزاحمت تھا۔ اور میں اس سے بالکل شکست کھا چکا تھا۔

علاوہ اس کے میری یہ محبوبہ POSSESSIVE بھی

باقی صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیں

کنری شہر کو نوکر شاہی کے ایک گرگے کے ہاتھوں بیچ دیا گیا

غازی مختار

کنری ٹاؤن کمیٹی جب سے وجود میں آئی ہے ہزاروں روپے روشنی کے ٹھیکہ پر خرچ ہو رہے ہیں۔ عوام کا ہزاروں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے مگر شہر میں چند مخصوص جگہوں کے سوا کہیں روشنی نہیں ہوتی۔ ایک سال سے کچھ لوگ بجلی لانے کے لئے چندے جمع کر رہے ہیں۔ عوام نے ہزاروں روپیہ چندہ بھی دیا جو بقول چندہ وصول کرنے والوں کے سارے کا سارا خرچ کر دیا گیا ہے بلکہ ان کا انکشاف ہے کہ انہوں نے ہزاروں روپیہ اپنی جیب سے بھی بجلی لانے کے لئے خرچ کر دیا ہے۔ مگر کنری کا تو مقدر ہی تاریک ہے وہ بیچارے کیا کریں۔

جہاں پاکستان کے دوسرے چھوٹے چھوٹے شہروں تک میں واٹر سپلائی کا نظام ہے کنری اس سے بھی محروم ہے اور جب نہریں بند ہو جاتی ہیں تو کنری کے عوام گندہ پانی تک پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ سنا ہے کنری کے لئے واٹر سپلائی منظور بھی ہوئی تھی۔ مگر ٹاؤن کمیٹی کے سابقہ چیئرمین اور ہیلتھ والوں میں حصہ کا فیصلہ نہیں ہو سکا، اور ہر ایک زیادہ حصہ مارنے کے چکر میں لگا رہا اور اس طرح اب تک شہر پانی سے محروم ہے۔

بجلی اور واٹر سپلائی کے علاوہ یہاں کے بچے بہتر تعلیم کو ترس رہے ہیں۔ اس شہر میں لڑکوں کے تین اور لڑکیوں کے دو پرائمری اسکول، ایک لڑکوں کا ڈی سی ہائی اسکول اور ایک غزالی گرلز اسکول جسے ٹاؤن کمیٹی چلاتی ہے۔ مگر عوام کی سر توڑ کوششوں کے باوجود یہاں کالج قائم نہیں ہو سکا جب کہ کنری میٹرک تک کے امتحانات کا سنٹر بھی ہے اور میلوں تک کوئی کالج نہیں۔ یہاں لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیونکہ آج کی بیٹی کل قوم کی ماں بنے گی۔ ٹاؤن کمیٹی جو گرلز اسکول چلا رہی ہے۔ اس میں بہت سی اصلاحات کی شدید ضرورت ہے۔ یہاں برسوں سے کوئی میتھس یا سائنس پڑھانے والی استانی نہیں۔ نہ ہی اسکول کے ماحول اور معیار تعلیم کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔ یہ اسکول صرف ٹاؤن کمیٹی نے اپنے مفادات کے لئے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اسکول کے ریکارڈ میں زبردست خرچ دکھائے جاتے ہیں بلکہ اسکول کے اسٹاف کی تنخواہ بھی بعض اوقات روک لی جاتی ہے اور مظلوم اسٹاف کی کوئی داد فریاد نہیں۔ گورنمنٹ بوائز پرائمری اسکول، ڈی سی ہائی اسکول کی عمارت کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ مرمت اور سفیدی، دروازوں اور کھڑکیوں سے محروم عمارتیں حکام کی علم دوستی کا ماتم کر رہی ہیں۔ گورنمنٹ پرائمری اسکول کی عمارت تقریباً ۱۵ سال قبل تعمیر ہوئی تھی۔ مگر آج تک اس کی مرمت یا سفیدی نہیں کی گئی۔ ڈسٹمپر غائب ہو گیا ہے۔ دیواروں میں خطرناک دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ چھتیں چھلنی بن گئی ہیں۔ کسی بھی وقت اسکول کا کوئی بھی حصہ زمین بوس ہو سکتا ہے اور جگہ کی کمی کے سبب بھیڑ بکریوں کی طرح کمروں میں ٹھنسے ہوئے بچوں کی قیمتی جانیں ضائع ہو سکتی ہیں۔ مگر حکومت اور محکمہ تعلیم کو آج تک اس طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں مل سکی۔ شہر میں ٹاؤن کمیٹی ایک مردانہ اور ایک زنانہ ہسپتال چلا رہی ہے۔ جی ہاں چلا رہی ہے اور دواؤں کے بغیر چلا رہی ہے۔ سال بھر کے لئے ہسپتالوں کو جو دوائیں دی جاتی ہیں وہ دو ماہ کے لئے بھی ناکافی ہوتی ہیں۔ میٹرنٹی ہوم صرف "یونیسیف" کی ٹیبلٹ کے سہارے چل رہا ہے۔ آج تک اس ہسپتال کو مکمل اور ٹرینڈ اسٹاف نہیں ملا۔ اس وقت ہسپتال میں کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں ہے۔ مردانہ ہسپتال کے ڈاکٹر ہی میٹرنٹی ہوم میں بیٹھتے ہیں۔ جو دو نرسیں ہیں وہ بھی کوالیفائیڈ نہیں۔ جس کا بڑا ثبوت ہسپتال کا چوکیدار ہے جس کے کان میں نرس نے دوائی کے بجائے تیزاب ڈال دیا اور کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی اس کے کان سے ٹھوڑی تک تیزاب سے جلنے کا نشان موجود ہے۔ مردانہ ہسپتال (ابن سینا ہسپتال) کئی برس تک بغیر ڈاکٹر کے صرف ایک کمپونڈر کے جذبۂ خدمت خلق کے سہارے چلتا رہا۔ آجکل ایک ڈاکٹر صاحب ہیں مگر ڈاکٹر کوئی عامل جادوگر تو نہیں کہ مریض کو پھونک مار کر بھلا چنگا کر دیں۔ ان کے پاس دوائیاں نہ ہوں تو مجبوراً سارا سال ڈاکٹر عوام کو نسخے لکھ کر دیتے رہتے ہیں اور اس طرح لامحالہ ان پڑھ اور غریب عوام کو شکایت پیدا ہوتی ہے کہ ڈاکٹر دوائی نہیں دیتا۔ علاج ٹھیک نہیں کرتا۔ کچھ لوگ تو یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ ڈاکٹر دوائیاں بیچ دیتے ہیں۔ مگر انہیں کون بتائے کہ ڈاکٹر بیچے گا کیا۔ دوائیاں تو سرے سے ہی نہیں۔

کنری شہر کو ملک کے دوسرے شہروں سے ملانے والی کوئی سڑک پختہ نہیں۔ سڑکوں کے جو پختہ حصے ہیں وہ بھی جگہ جگہ سے اکھڑ چکے ہیں۔ سڑکوں میں کھائیاں اور غار بن چکے ہیں۔ ان سڑکوں پر چلنے والی موٹریں اور گاڑیاں بعض دفعہ ایسی خطرناک چھلانگیں اور قلابازیاں کھاتی ہیں کہ ڈرائیور اور مسافر راہیٔ ملک عدم ہوتے ہوتے واپس لوٹ آتے ہیں اور لوٹتے لوٹتے ملک عدم کو روانہ ہونے لگتے ہیں۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے پورا انجر پنجر ہل چکا ہوتا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ مگر دو چار سال سے نوکر شاہی کے طفیل عوام ایک سنگین مسئلے سے دوچار ہیں۔ ۴۷ء میں کنری نے قصبہ سے ترقی شروع کی اور ۶۵ء تک ایک مکمل اور خوبصورت شہر بن گیا۔ اور تقریباً ۸۰ ایکڑ رقبہ پر پھیل گیا۔ مگر ۶۴ء میں جب کہ نوکر شاہی نے عوام کی شہ رگ میں اپنے خونی پنجے گاڑ رکھے تھے۔ ایوبی آمریت اور نوازشات کا دور دورہ تھا۔ اس آباد شہر کا تقریباً آدھا رقبہ نوکر شاہی کے ایک گرگے کو زرعی زمین کے کلیم کے عوض الاٹ کر دیا گیا اور ہمارے علم کے مطابق ان صاحب کا سرے سے کوئی کلیم ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے کسی سے یونٹ خرید کر یہ شہر اپنے بادائی جاگیر کے طور پر ہتھیا لیا۔ اب یہ صاحب غریب عوام سے ایک روپیہ اور دو روپے فی فٹ اس زمین کی قیمت لینا چاہتے ہیں اور اس حساب سے ایک ایکڑ زمین کی قیمت تقریباً پون لاکھ روپے تک پہنچتی ہے۔ جب کہ اس علاقہ میں زرعی زمین کی اوسط قیمت ۵۰۰ روپے فی ایکڑ ہے۔

ظالم حکمرانوں نے اس شہر میں آباد غریبوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے ایک فرد کو راتوں رات کروڑ پتی بنانے کے لئے آدھا شہر عنایت کر دیا۔ اور خدا کے ان بدترین بندوں کے اس ظلم کے خلاف سال بھر سے فریادیں کر رہے ہیں۔ اپنے بچوں کے پیٹوں پر سے کپڑا اٹھا اٹھا کر دکھا رہے ہیں کہ حضرت ہمارے تو پیٹ بھی خالی ہیں اتنا روپیہ کہاں سے لائیں مگر حکومت کے کارندے گونگے بہرے بنے ان کی زبوں حالی اور فریادوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یکم فروری کو راقم الحروف نے تین دوسرے ساتھیوں سمیت گورنر سندھ (اس وقت ممتاز علی بھٹو تھے) سے اس مسئلہ کے لئے ملاقات کی تھی اور ان سے گذارش کی تھی کہ "خدارا آپ ہی کچھ کریں۔ ہمیں دربدر ہونے سے بچائیں۔ اس الاٹمنٹ کو کینسل کر کے یہ زمین اس پر آباد عوام کو سرکاری نرخوں پر آسان اقساط پر دلوائیں جنہوں نے اپنے بچوں کا سر چھپانے کا سامان کر رکھا ہے اور کلیمنٹ کو اور کہیں زرعی زمین الاٹ فرمائیں"۔

گورنر سندھ نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ "جلد ہی عوام کی یہ تکلیف دور کر دی جائے گی۔ عوامی حکومت میں عوام کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

گجرات

قوم کے نونہالوں اور معماروں کا خون چوسنے والے سزا سے کب تک بچیں گے

طارق جاوید چودھری

زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن گجرات نے اپنے زیرانتظام چلنے والے تعلیمی اداروں میں جو دھاندلیاں کیں وہ کئی دفعہ اخبارات و رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ سیاسی رہنماؤں نے اپنے جلسوں میں وعدے بھی کئے تھے کہ وقت آنے پر ان دھاندلیوں کا حساب ضرور لیا جائے گا۔ انتخابی مہم میں پیپلز پارٹی کے جلسوں میں اس عوامی مسئلہ کو بار بار دہرایا گیا۔ مختلف جلسوں میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں جناب غلام مصطفےٰ کھر، ملک معراج خالد، مولانا کوثر نیازی، محمد حنیف رامے اور ڈاکٹر غلام حسین نے عوام سے وعدہ کیا کہ وہ جب بھی برسرِاقتدار آئیں گے زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا یوم حساب لائیں گے مگر آج تک گجرات کے طلبا، اساتذہ اور عوام اس یوم حساب کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس ایسوسی ایشن کے زیراہتمام چلنے والے تعلیمی اداروں میں جہاں دوسرے کالجوں کی نسبت طلبا سے زیادہ رقوم بٹوری جاتیں اور طلبا کے فنڈ زیرِ ہاتھ صاف کیا جاتا وہاں معماران قوم (اساتذہ) کے ساتھ بھی ناروا سلوک اختیار کیا جاتا ہے۔ کالجوں کے اساتذہ سے بیگار لیا جاتا ہے۔ انہیں پروانہ تقرری نہیں دیا جاتا تاکہ جب بھی کوئی ان کی ناجائز خواہشات کے آگے جھکنے سے گریزاں ہو تو اسے نکال باہر کیا جا سکے۔ اساتذہ کو تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ دی جاتی جبکہ دستخط کئی گنا زیادہ تنخواہ والے رجسٹر پہ کرائے جاتے ہیں

زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی ان دھاندلیوں کے خلاف جس نے آواز بلند کی وہ نوکری سے سبکدوش ہوا ان میں پرنسپل غلام سرور، پروفیسر حامد حسن سیّد، صادق لطیف سعدی، پروفیسر فاروق، پروفیسر چودھری فضل حسین، ڈی پی باسن، لفٹیننٹ حسن محمد اور پروفیسر نجمی شامل ہیں۔

اب جبکہ موجودہ عوامی حکومت کی تعلیمی پالیسی کے تحت اس ایسوسی ایشن کے گجرات میں دو ڈگری کالج بھی سرکاری تحویل میں آگئے ہیں تو انہوں نے ایک نیا شکار پولیٹیکل سائنس کے لیکچرار سید نعیم اختر ایم اے کا کیا ہے۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل انہوں نے ان کا ایک ناجائز کام کرنے سے انکار کیا تھا۔

ہم عوامی حکومت سے ہر روز مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ایسی دھاندلیاں کرنے والوں کا حساب لے اور مظلوم اساتذہ کی دادرسی کرے اور ایسوسی ایشن کے ناخداؤں کو برسوں قوم کے نونہالوں اور معماروں کا خون چوسنے کے جرم میں عبرت ناک سزا دے۔

ہنزہ و نگر میں بھی اصلاحات نافذ کی جائیں

عبادت شاہ

پاکستان کے صدر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۲ اگست ۱۹۷۲ء کو جن تاریخی اصلاحات کا اعلان کیا اس کے لئے وہ قابل صد مبارکباد ہیں۔ اہل گلگت و بلتستان کو اپنے صدر کا مشکور ہونا چاہیئے کہ انہوں نے ایک تاریخ ساز فیصلہ کر کے ان کی منجمد زندگی میں حرکت پیدا کی ہے اور ایک عوامی انقلاب کا آغاز کیا ہے۔ اس انقلاب کو آگے بڑھانا اور کامیابی سے ہمکنار کرنا خود عوام کا فرض ہے

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان علاقوں کے عوام کی زندگی میں جو انجماد اور ٹھہراؤ تھا۔ وہ ان کی اپنی کاہلی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس میں وہاں کے نوابوں، امیروں اور جاگیرداروں کا ظالم پنجہ شامل ہے۔ اور نوکر شاہی کی ملی بھگت کا بھی عمل دخل ہے۔ ورنہ یہاں کے عوام بہادری اور جفاکشی کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہاں کے طبعی اور جغرافیائی حالات اور دیگر انتہائی ناموافق حالات کے باعث زندہ نہ رہ سکتے۔

یہاں کے عوام خطرات کو شکست دیکر وہاں کے حالات کو زندہ رہنے کے قابل بنا دیا ہے —— ان علاقوں میں طبعی اور فطری ناموافق حالات کے ساتھ ساتھ شخصی راج کی لعنت کئی روپ میں موجود تھی —— کہیں یہ نوابیت کی شکل میں تھی اور کہیں امیری کی شکل میں —— کہیں راجگی اور جاگیرداری کے روپ میں —— بہرحال شخصی راج کی تلوار ہر دم وہاں کے غریب عوام کے سروں پر لٹکی رہتی تھی —— ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی اور ظلم و جبر کا دور دورہ تھا۔ غربت کے سائے منڈلاتے رہتے تھے۔

نوابوں کی نوابیت کا گھمنڈ اور غرور ورثے میں ملتا ہی تھا۔ انسانیت دشمنی ان کی رگ رگ میں رچی ہوتی تھی —— لیکن فرنگی آقاؤں کی حکومت نے کچھ اور شاطرانہ طور طریقے سکھا کر ظلم و جبر کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ کیونکہ ان سے نام نہاد نوابوں کے مقاصد بھی حاصل ہوتے تھے —— اور فرنگی بھی ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

"کسی قوم پر آسانی سے حکومت کرنے کے لئے نفاق پیدا کر دو۔ ذات پات، رنگ و نسل اور مذہب کا تفرقہ پیدا کر کے نفرت کی دیواریں کھڑی کر دو۔ اس طرح مختلف طبقوں میں بٹ جانے کے بعد انہیں محکوم بنانے میں آسانی ہو گی" —— لہٰذا فرنگیوں کے یہ پالتو کتے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر عمل پیرا تھے مختلف فرقوں اور طبقوں، کو یہاں تک کہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرتے تھے۔ اس طرح ظلم و جبر کو روا رکھ کر اپنے اور آقاؤں

کے دو طرفہ مقاصد حاصل کرتے تھے۔

تقسیم ہند و پاک کے عوام کو آزادی نصیب ہوئی اور فرنگی سیاہ رو ہو کر اپنے وطن واپس ہوا لیکن گلگت اور بلتستان کے عوام کو مزید دو جنگیں لڑنی پڑیں، پہلی ڈوگرہ راج کے خلاف اور دوسری وہاں کے طفیلی نوابوں کے خلاف ——— پہلی جنگ ۱۹۴۷ء میں ڈوگرہ راج کو گلگت اور بلتستان سے نکالنے کے خلاف لڑی گئی اور فرنگیوں کو اس پاک سرزمین سے نکال باہر کیا گیا۔ دوسری جنگ ۲۲ اگست ۱۹۷۲ء تک جاری تھی جس میں ایک طرف غریب محنت کش عوام تھے اور دوسری طرف نواب، جاگیردار، میر اور نوکر شاہی کے افراد تھے۔

ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صدر پاکستان نے گلگت اور بلتستان کے اُن علاقوں سے دسوائے ریاست ہنزہ کے شخصی راج کا خاتمہ کر دیا اور اس کی جگہ انقلابی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔ اس تاریخی اعلان کے بعد غلامی کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور برسوں پرانی غلامی کی سیاہ رات کے بعد آزادی کی روشن صبح طلوع ہوئی ——— اور ۲۳ اگست ۱۹۷۲ء کا آفتاب وہاں کے مظلوم عوام کے لئے ایک درخشندہ اور تابناک مستقبل کا پیغام لے کر طلوع ہوا ——— اس مبارک دن وہاں کے عوام نے بہت خوشیاں منائیں۔ نمازِ شکرانہ ادا کیا ——— مکانوں کی چھتوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر چراغاں کیا گیا ——— اور دوسری تقریبات ہوئیں ——— خوشی کا یہ سماں ہفتوں تک جاری رہا ———

مگر صد افسوس کہ یہ نیک دن ریاست ہنزہ کے عوام کے لئے کوئی خوشی کا پیغام لے کر نہیں آیا۔ کیونکہ ریاست میں نوابیت اور جاگیرداری کی لعنت ابھی تک برقرار ہے۔ نہ جانے یہ بدنما داغ کیوں نہیں مٹایا گیا ——— بہر حال ریاست کو اپنی حیثیت میں برقرار رکھنے کا جو جواز پیش کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

"یہ علاقہ دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہے اور یہاں کے عوام بھی اس میں تبدیلی نہیں چاہتے" ——— اگر گستاخی نہ ہو تو میں اس بات کا اظہار کر دوں کہ ہم اہلِ "ہنزہ" صدر محترم کی اس دلیل کو قبول نہیں کرتے، نہ صرف ہم بلکہ کوئی باشندہ اس بات کی تائید نہیں کرے گا۔ کیونکہ ایک خود مختار اور جمہوری مملکت کے اندر ایک طفیلی ریاست کو قائم رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا ——— اور یہ اقدام دستورِ اسلامی مملکتِ پاکستان کے منافی ہونے کے علاوہ خود برسر اقتدار پارٹی کے منشور کے خلاف بھی ہے ——— جس میں یہ صاف صاف تحریر کیا گیا ہے کہ اس پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد "ہنزہ" سے لے کر کراچی تک تمام علاقوں کو برابر کا حق دیا جائیگا ——— رنگ و نسل اور تہذیب کے فرق کے بغیر ———

اس کے علاوہ صدر محترم نے ذاتی طور پر ہمارے نمائندوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ برسر اقتدار آتے ہی اس لعنت کو ختم کر دیں ——— لہٰذا میں ان سطور کے ذریعہ صدر محترم کی توجہ ان وعدوں کی طرف مبذول کرانے کی جسارت کرتا ہوں ———

"ہنزہ" کے پاک سرزمین سے نوابیت کے خاتمہ کی حمایت میں کسی ذاتی رنجش کی بناء پر نہیں کرتا ہوں۔ بلکہ صدر مملکت جناب ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی حکومت اپوزیشن کے تمام سربراہان اور قارئین کے سامنے ریاست ہنزہ کے مطالبات میں دلائل پیش کر کے ثابت کروں گا۔

"میر آف ہنزہ" کی حکومت میں بھی وہی تمام نقائص بدرجہ اتم موجود ہیں جو شخصی راج کی علامت ہوتے ہیں۔ مثلاً آج کے دور میں بھی بے کاری کی رسم عام ہے ——— اس کی ایک زندہ مثال میں خود صدر محترم کے سامنے پیش کروں گا۔ یعنی ماضی قریب میں جب آپ "ہنزہ" تشریف لے گئے تھے اور جس عالیشان محل میں قیام پذیر ہوتے تھے وہ ایک جیتی جاگتی مثال ہے۔ اس کی تعمیر میں اینٹ گارے سے لے کر آرائش و زیبائش اور سامان تعیش کی فراہمی تک میں عوام سے بے گار ہی نہیں لیا گیا بلکہ عوام سے خراج حاصل کر کے اس کو مکمل کیا گیا۔ صدر صاحب نے غریب عوام کی جھونپڑیاں بھی دیکھی ہوں گی۔ ان کو دیکھ کر میر آف ہنزہ کے عالیشان محل سے موازنہ بھی ضرور کیا ہو گا ——— جواب خود ان کا اپنا مشاہدہ ہی دے گا۔

میر آف ہنزہ جو ٹیکس لیتے ہیں اس کا طریقہ بھی نرالا ہے مثلاً اگر ایک آدمی کے ۴ بیٹے ہیں اور باپ کے مرنے کے بعد الگ الگ ہو جائیں تو باپ جو ٹیکس دیتا تھا وہ چاروں حصوں میں تقسیم نہیں ہو گا ——— بلکہ چاروں بیٹوں کو فی کس اتنا ہی ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ جتنا ان کا باپ دیتا تھا ——— یہاں ہر چیز پر ٹیکس لیا جاتا ہے ——— اگر کسی سال کسی کسان کی فصل کم ہو گئی تو میر کو اس سے کوئی سروکار نہیں اسے ہر حالت میں ٹیکس پورا ملنا چاہیئے۔ اس لئے غریب کسان کو ادھار لے کر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔

میر آف ہنزہ کے یہاں انصاف بھی انوکھا ہے۔ متنازعہ پارٹیوں کے سامنے فیصلہ نہیں کرتے۔ مجرم کو جرم کی سزا نہیں سناتے ——— بلکہ ایک دن ایک پارٹی کو بلا کر فیصلہ اس کے حق میں کرتے ہیں اور اس کے عوض پارٹی سے کچھ تحفہ تحائف وصول کرتے ہیں۔ دوسرے دن دوسری پارٹی کو مژدہ سناتے ہیں کہ فیصلہ تمہارے حق میں کیا گیا ہے لہٰذا فلاں فلاں چیز شکرانے طور پر حاضر کرو۔ اس نرالے قانون کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تنازعے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور انصاف کا جنازہ ہی نکل گیا ہے۔ عداوتیں اپنے عروج پر ہیں۔ جب کہ یہ لوگ پُر امن رہنے میں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

میر آف ہنزہ تعلیم کے کٹر مخالف ہیں۔ وہ اپنے شہزادوں اور شہزادیوں کے سوا کسی کو تعلیم یافتہ دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر عام لوگ تعلیم یافتہ ہو گئے تو میرا پردہ چاک ہو جائے گا اور انسانیت کے سامنے جواب دہی ہو گی ——— ان کی تعلیم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہنزہ میں قابل ذکر درس گاہ کوئی نہیں۔

ہنزہ میں اگر کوئی ظالمانہ طرزِ حکومت کے خلاف آواز بلند کرتا ہے تو اس کو تہہ تیغ کر دیا جاتا ہے یا زنداں کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی زندہ مثال یہ واقعہ ہے جو ابھی حال ہی میں ہوا ہے۔

جب ہمارے صدر مملکت ہنزہ تشریف لے گئے تھے تو وہاں انہوں نے ایک عام اجلاس سے خطاب بھی کیا تھا۔ اس موقع پر چند آزادی پسند نوجوانوں نے بینرز اٹھائے ہوئے تھے جن پر مطالبے درج تھے ——— جیسے ہی صدر مملکت نے تقریر ختم کی میر کے غنڈوں نے بینرز اٹھانے والوں پر حملہ کر دیا اور بینرز پھاڑ دیئے ——— ہمارے کارکنوں کو مارا پیٹا گیا، کچھ کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ کچھ جان بچا کر گلگت آ گئے ——— ہنزہ میں اطلاعات کا کوئی نظام نہیں ہے۔ صدر صاحب کو معلوم بھی نہیں ہوا کہ وہاں کے عوام پر کیا مظالم ہوتے۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ میر آف ہنزہ کے اندر انتقام کی آگ کتنی شدید ہے۔

میر آف ہنزہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ یورپ اور امریکہ کا سفر کرتے ہیں۔ جب کہ ان کی رعایا کے پاس کھانے کے لئے روٹی اور پہننے کے لئے کپڑا بھی نہیں ہے۔ کسی کے پاس ڈھنگ کا مکان بھی نہیں ہے ——— پاکستان میں اور بھی نواب ہیں جو میر آف ہنزہ سے بھی بڑے ہیں مگر ان کے ایسے شاہانہ رنگ نہیں ہیں حکومت پاکستان نے کبھی تحقیقات کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ان کے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ پچھلی ناعاقبت اندیش حکومتیں گلگت کی انتظامیہ میر ہنزہ کی جائز ناجائز طرفداری کرتی تھیں۔ لیکن ہم عوامی حکومت سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اس بھیڑیے کو مزید خون پینے کا موقع ہرگز نہیں دے گی ——— ہنزہ میں طبی سہولتوں کا فقدان ہے۔ قارئین کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ۴۰ ہزار کی آبادی جو ۱۵۰ میل تک پھیلی ہوتی ہے۔ اس کے لئے صرف ایک ڈسپنسری ہے۔ ایک ڈاکٹر ہے وہ کبھی آتا ہے کبھی نہیں آتا ——— عوام کو جو دوا دی جاتی ہے وہ دوا کم اور پانی زیادہ ہوتا ہے۔ اصلی دوا دربار شاہی میں پہنچا دی جاتی ہے یا پھر میر کے حواریوں کو اس کے استعمال کی آزادی ہے۔ غریب عوام مناسب علاج نہ ہونے کے باعث بے موت مر جاتے ہیں۔ میٹرنٹی ہوم نہ ہونے سے خواتین کی اموات کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔

آخر میں میں پاکستان کے ہر دل عزیز صدر بھٹو صاحب ان کی حکومت اور تمام سیاسی رہنماؤں سے اپیل کروں گا کہ وہ میر ہنزہ کی شخصی حکومت کو ختم کرنے میں یہاں کے باشندوں کا ساتھ دیں

وزارتِ اطلاعات ہڑتال میں برطرف ہونیوالے باقی ماندہ صحافیوں کی بحالی میں ناکام رہی: صفحہ ۹ سے آگے

کو ٹہ وافر تعداد میں ہے اور ضرورت سے زائد نیوز پرنٹ لاہور میں بلیک مارکیٹ میں بکتا ہے۔ اس کی باقاعدہ تحقیق کی جا سکتی ہے۔

روزنامہ مساوات لاہور پر وزارتِ اطلاعات کی گرفت مضبوط نہیں ہے۔ وہاں وزیر اطلاعات اور گورنر پنجاب کے درمیان چل رہی ہے۔ اس لئے آج کل کراچی سے ایک الگ اخبار نکالنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ تاکہ اس سے جو آمدنی ہو، اس میں کسی اور کی حصہ داری کا خطرہ نہ ہو۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ آج کل وزارتِ اطلاعات بائیں بازو کے مخالفوں سے ساز باز کر کے انہیں آگے لا رہی ہے۔ ریڈیو پاکستان پر آج کل جو دانش ورپیش ہو رہے ہیں اور جو اخبار نویس خبروں پر تبصرے لکھ کر پیسہ کما رہے ہیں۔ ان میں اکثریت ایسی ہے جنہوں نے پیپلز پارٹی کی ہمیشہ مخالفت کی۔ ان میں سے بہت سے این۔ یو۔ جے کے رکن بھی ہیں۔ ریڈیو سٹیشنوں کو خاص طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے صحافی ریڈیو پر نہ آئنے پائیں۔ ریڈیو سٹیشنوں پر ویسے بھی عوام دشمن عناصر کا قبضہ ہے اس لئے ان کے لئے یہ ہدایت اور تقویت کا باعث بن گئی ہے۔

روزنامہ "نوائے وقت" کے پرانے واجبات جو تقریباً دو لاکھ کے قریب بنتے ہیں حال ہی میں ادا کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے نوائے وقت کا لہجہ تبدیل ہو گیا ہے۔

ایک خطرہ یہ بھی لاحق ہے کہ بائیں بازو کے عناصر عوام کے علاوہ کسی سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔ عوام کے علاوہ کسی کی بات نہیں مانتے۔ اس لئے ایسے صاف گو لوگوں کو راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔

طارق عزیز جس نے پیپلز پارٹی کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے اپنی فلمی زندگی بھی داؤں پر لگا دی۔ فلموں میں اُسے کام ملنا بند ہو گیا۔ ٹیلی ویژن سے شیر علی نے نکال دیا تھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت آئی تو بھی اس کا بائیکاٹ ہی رہا۔ اس نے اس کے لئے خواہش بھی نہ کی۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں پر بائیں بازو سے متعلقہ سب کارکنوں نے تنقید کی تھی کہ اس سے طبقاتی شعور پھیلانے کے لئے جو پروگرام جاری ہوتے تھے ان پر طبقاتی منافرت کا لیبل لگا کر بند کر دیا گیا۔ طارق عزیز نے بھی یہی تنقید کی تو وزارت اطلاعات نے ایک خبر چلوائی چونکہ طارق عزیز کو "جئے بھٹو" نامی فلم کے لئے چار لاکھ روپے وزارت اطلاعات نے نہیں دیئے اس لئے وہ وزارت اطلاعات ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں پر تنقید کر رہے ہیں۔ "جئے بھٹو" نامی فلم پیپلز پارٹی کی حکومت سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔ خود بھٹو صاحب نے اپنی پارٹی کے دولت مند لوگوں سے اس کے لئے پیسہ دینے کو کہا تھا۔ اب محض طارق عزیز کو بدنام کرنے اور مفاد پرست ثابت کرنے کے لئے یہ خبر چلائی گئی۔ طارق عزیز نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور اخبارات نے اس کو چھاپ دیا تو اخبارات کو دھمکیاں دیں کہ "آپ نے یہ بیان کیوں شائع کیا"۔

اس طرح اخبارات کو محض اپنی پبلسٹی کے لئے استعمال کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اخبارات کے خلاف جو کارروائی ہوتی ہے۔ اس میں متعلقہ بیورو کریسی مقدمات اتنے کمزور تیار کرتی ہے کہ عدالت میں ہر فیصلہ حکومت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس طرح بدنامی صرف صدر بھٹو کی ہو رہی ہے۔ ایک وزیر اطلاعات کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ صدر مملکت اور اخبارات کے درمیان ایک رابطہ کا منصب ادا کرے ——— نہ یہ کہ وہ اخبارات اور اخبار نویسوں کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرے۔ اور اگر وہ نہ استعمال ہوں تو ان پر قہر بن کر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح صدر مملکت اور اخباروں کے درمیان اتنی کشیدگی پیدا ہو گئی ہے کہ دونوں کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔

بعض حرکتیں تو اتنی بچکانہ کی گئی ہیں کہ اس سے حکومت خواہ مخواہ میں بدنام ہوئی۔ مثلاً نوابزادہ شیر علی خان کا ایک بیان اخبارات کے پاس آیا۔ وزارت اطلاعات کو معلوم ہوا تو اس نے نہ صرف بیان چھاپنے کی اجازت دیدی بلکہ اس پر کراچی کے وزارت اطلاعات کے علاقائی دفتر نے مُہر بھی لگا دی پھر بعض اخبارات کے ایڈیٹروں سے کہا گیا کہ وہ اس بیان کے خلاف اداریے لکھیں کیونکہ حکومت نوابزادہ شیر علی کو گرفتار کرنا چاہتی ہے ——— یہ مُہر اس بیان پر کس نے لگائی اور کیسے لگی۔ یہ تو معلوم نہیں، کراچی کے شام کے اخبار "ڈیلی نیوز" میں اس بیان پر لگی ہوئی مہر کا عکس شائع ہوا ہے۔ ابھی تک معلوم نہیں کہ کراچی کے علاقائی دفتر اطلاعات میں اس سلسلے میں کوئی تحقیق ہوئی یا نہیں۔

صدر بھٹو کو شاید یہ باور کرایا گیا ہے کہ اس ملک میں مقبول ہونے کا واحد ذریعہ مذہب ہے ——— مذہبی جنون کے ذریعے بھٹو صاحب کو مقبول کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ——— میلاد کی محفلوں میں انہیں لے جانا ——— اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے حج پر سے پابندیاں ہٹا دی ہیں جو شخص چاہے حج پر جا سکتا ہے۔ اس طرح کے مذہبی نعرے بلند کر کے لوگوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹائی جا رہی ہے۔ حج کی اس عام اجازت کے بعد ٹرانسپورٹ کی جو دقتیں پیش آنے والی ہیں۔ اور جو اقتصادی عدم توازن پیدا ہو گا۔ اس کے بعد جو احتجاج برپا ہو گا۔ اس سے نقصان کس کو پہنچے گا۔ وزارت خزانہ نے اس سلسلے میں کیا اجازت دے دی ہے۔؟

پہلے صدر صاحب سے یہ اعلان کروایا گیا کہ یکم جولائی سے ریڈیو پاکستان کارپوریشن میں تبدیل ہو جائے گا، مگر وزارتِ خزانہ سے اس کے امکانات پر مکمل منظوری نہ لی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ستمبر کا مہینہ ہے۔ اب تک ریڈیو کارپوریشن کا کوئی علم نہیں۔ ایک سربراہِ مملکت جس منصوبے کا خود اعلان کرے اور وہ عمل میں نہ آئے کتنی شرم کی بات ہے ——— پھر اعلان کیا گیا کہ اکتوبر سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مشترکہ کارپوریشن قائم ہو جائے گی۔ اس کے بھی کوئی امکانات نظر نہیں آتے ہیں۔ اس طرح نعرے لگا دینے سے کب تک کام چلے گا۔ اور یوں لوگوں میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے "لندن پلان" کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن کو جس طرح اُس کے پروپیگنڈے کے لئے براہ راست استعمال

کیا گیا اور پھر اچانک یہ پروپیگنڈہ بند کر دیا۔ اس سے لوگوں کے ذہنوں میں یہی بات بیٹھی کہ "لندن پلان" محض ایک پھڈا تھا۔

اگر وزیر اطلاعات اپنے وسائل ابلاغ کو اس لئے استعمال کرنا چاہتے تھے تو انہیں صدر مملکت اپنی پارٹی اور کابینہ سے مشورہ کر لینا چاہیئے تھا تاکہ "لندن پلان" کا پروپیگنڈہ یوں بلبلے کی طرح نہ بیٹھ جاتا۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اس مضمون کے بعد ہمارا کیا حشر ہوتا ہے اور ہفت روزہ "الفتح" پر کیا گزرتی ہے۔ لیکن ان تلخ حقائق کا انکشاف ضروری ہے۔ کیونکہ جماعت کی آستینوں میں چھپے ہوئے بت برآمد کرنا ضروری ہے۔ ورنہ صدر بھٹو اور ان کی پارٹی کے مخلص کارکن اور رہنما جس معاشرے کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ بعض شخصیتوں کی خود غرضی اور ردِ انقلاب کوششوں کی وجہ سے کبھی قائم نہ ہو سکے گا۔ ان شخصیتوں نے انقلاب دشمن عناصر سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ کبھی انتہا پسند بایاں بازو اور کبھی کمیونسٹوں کا نام لے کر وہ پیپلز پارٹی کے مخلص کارکنوں اور رہنماؤں کے خلاف نفرت پھیلا کر اپنے جیسے موقع پرست عناصر کے لئے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

نیشنل پریس ٹرسٹ کے سابق چیئرمین یونس سعید جنہیں صدر بھٹو نے خود یہ منصب دیا تھا اور جو صدر بھٹو کے ذاتی دوست ہیں اور جن کو اس عہدے سے الگ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی، ان کو یوں اچانک علیحدہ کر دینا —— دراصل یہ ثابت کرنا تھا کہ اب یہ شخصیتیں اتنی طاقت ور ہو گئی ہیں کہ صدر بھٹو کے ذاتی دوستوں کو بھی اپنے عہدے سے الگ کروا سکتی ہیں اور ان کی جگہ اپنے اعتماد کے افراد کو رکھ سکتی ہیں۔

اس کے بعد یہ چھری اب نیشنل پریس ٹرسٹ اور مساوات کے ایسے صحافیوں پر چلنے والی ہے، جو بائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں —— خفیہ طور پر دھمکیاں مل رہی ہیں —— خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے۔ راندۂ صحافت نیشنل یونین آف جرنلسٹس کے صحافی وزیر اطلاعات کے اس اقدام کے تحفظ کے لئے میدان میں آ چکے ہیں۔

خبردار ہونے اور ہوشیار ہونے کی ضرورت صحافیوں کو نہیں ہے، وہ تو ہمیشہ بیدار رہے ہیں۔ یہ ضرورت صدر بھٹو کو ہے۔ کیونکہ اس سے نقصان انہیں پہنچے گا۔ وہ مخلص صحافی جو جدوجہد میں ان کے دست و بازو بن سکتے ہیں۔ ان کے اور صدر کے درمیان یہ دیوار کھڑی ہو گئی۔ تو ان موقع پرست شخصیتوں کیلئے صدر بھٹو کو بھی راستے سے ہٹانا آسان ہو جائے گا۔ یہی ان کی معراج بھی ہے۔ یہ شخصیتیں پیپلز پارٹی میں صدر بھٹو کا متبادل اپنے آپ کو ہی سمجھتی ہیں —— شاید حکومت میں بھی وہ اپنے آپ کو متبادل خیال کرتی ہوں ——

قارئین کہتے ہیں

کاش انہیں اپنے تاریخی فرض کا احساس ہو جائے

اس "عوامی حکومت" میں شیر علی اور شورش کاشمیری او جیسے دوسرے عوام دشمن اور سرمایہ دار دوست افراد کے لیے جیل میں "اے کلاس" اور "بی کلاس" مقرر کی جاتی ہے مگر عوام کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ سی مثال ملتان کے مزدور رہنما محمود نواز بابر کے ساتھ پولیس تشدد ہے۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ تشدد کی وجہ سے ان کے چہرے اور جسم پر نیل کے نشان پڑ چکے ہیں اور وہ جسمانی طور پر نڈھال ہو چکے ہیں۔ پنجاب میں مزدوروں کی ہر ہڑتال کو غیر قانونی قرار دے دیا جاتا ہے۔ "عوامی حکومت" کے نقاب تلے جاگیرداروں اور گماشتہ سرمایہ داروں کی آمریت اپنا مکروہ چہرہ لیے موجود ہے۔

پشاور میں طارق عزیز اور معراج محمد خان کے جلسۂ عام پر فائرنگ کی گئی ..... لیکن یہ فائرنگ کیوں ہوئی؟ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مرکز میں برسرِ اقتدار جاگیردار ٹولے اور نیپ کے خوانین میں اقتدار کی خاطر عارضی تضاد پیدا ہو چکا ہے۔ مرکز کی جاگیردار قیادت نیپ کے خوانین پر دباؤ ڈالنے کے لیے معراج محمد خان، طارق عزیز اور اس قبیل کے دوسرے افراد کو شطرنج کے مہرے کے طور پر استعمال کر رہی ہے ان افراد نے وزارتوں اور مراعات کے چکر میں پڑ کر ترقی پسند نظریات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ یہ لوگ عوام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ اس طرح رجعت پسندوں کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں اور ترقی پسند تحریک میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ کاش انہیں اپنے تاریخی فرض کا احساس ہو جائے۔

عبدالرحیم ناز موضع گدائی
ڈیرہ غازی خان۔

سیاست سکھانے والا واحد رسالہ

آپ کا رسالہ "الفتح" شروع سے زیرِ مطالعہ رہا ہے اور میں اس کو موجودہ دور میں تمام رسائل میں بہت معیاری اور موزوں سمجھتی ہوں۔ کیونکہ اس دور میں یہ واحد رسالہ ہے جو سیاست سکھاتا ہے اور تمام مسائل کا جائزہ بہت بہتر اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرتا ہے۔ آج کے دور میں ایسے کتنے رسالے ہیں جو سیاست سکھاتے ہیں اور عوام کا سیاسی شعور بلند کرتے ہیں؟

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ نے ادب کا بھی خیال رکھا ہے۔ اس میں شامل شدہ افسانہ ہمارے موجودہ معاشرے اور حالات کے تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے۔

رخسانہ صولت رُخی (اسلام آباد)

اس حکومت کی ناکامی سے رجعت پسندوں کو فائدہ پہنچے گا

آپ کی خدمت میں چند تجاویز حاضرِ خدمت ہیں۔

(۱) یہ درست ہے کہ آپ نے پارٹی پر تنقید کا سلسلہ شروع کر کے پارٹی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس سے پارٹی کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ رجعت پسند ان اختلافات کی آڑ لے کر پیپلز پارٹی پر زبردست حملے کر رہے ہیں اس لیے آپ اس سلسلے کو بند کر کے دائیں بازو کے سیاسی اور صحافی ناخداؤں کو بے نقاب کریں۔ فی الوقت اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

اگر خدانخواستہ پارٹی کی حکومت ناکام ہو گئی تو ابھی تک کوئی ترقی پسند پارٹی اس قابل نہیں کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکے۔ یقیناً رجعت پسند زمام اقتدار پر چھا جائیں گے۔ اور پھر ترقی پسندوں کا حال انڈونیشیا جیسا ہو گا۔

آپ دائیں بازو کے سیاسی صحافی ناخداؤں کو بے بس کر دیں تاکہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ پھر میدان

صاف ہوگا۔ پارٹی کی یقیناً اصلاح ہوگی۔

جہاں تک پارٹی کے کنونشن لیگ بن جانے کا خدشہ ہے جب تک اس پارٹی میں تاج محمد لنگاہ، امان اللہ خان، معراج محمد خان، احمد رضا قصوری، شیخ رشید اور دوسرے ہزاروں عوام دوست حضرات موجود ہیں، پارٹی کبھی کنونشن لیگ نہ بن سکے گی۔

ہر ہفتے کسی دائیں بازو کی جماعتوں کے لیڈر کے ماضی کے کارنامے شائع کیے جائیں تاکہ عوام ان لوگوں کے سیاہ کارناموں سے واقف ہو سکیں۔

آپ کی پالیسی سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے میں ایک نہایت عاجزانہ پیشکش کرتا ہوں۔

خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم "الفتح" رسالے کو اگر کبھی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو براہ مہربانی مطلع فرمائیے میں اپنا مکان فروخت کرکے اس رسالے کو جاری رکھنے کی کوشش کروں گا۔

"الفتح کا ایک دوست"

خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ

یہ طالب علم

آپ کو مدد کے لئے پکار رہا ہے

مَیں نہایت غریب طالب علم ہوں، میرے والد صاحب وفات پا چکے ہیں۔ اس سال میٹرک کا امتحان اول درجے میں پاس کیا ہے۔ اب فرسٹ ایئر میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ مگر غریب ہونے کی وجہ سے داخلے، کتابیں اور ماہ بماہ فیسوں و دیگر اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں لہٰذا مَیں اہلِ خیر حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری وقتی اور مستقل امداد فرمائیں تاکہ میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم جاری رکھ سکوں۔ مجھے پڑھائی کا بے حد شوق ہے۔ پہلی جماعت سے لے کر اب تک تحصیل بھر میں اوّل آ رہا ہوں۔

العارض: بشیر احمد

مکان نمبر ۲۹۴ غلہ منڈی ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائلپور

ذمہ دار حکام

کئی صدی پیشتر افلاطون نے قانون حکومت چلانے کا ضابطہ مرتب کیا تھا۔ جس میں اس بات کی نشان دہی کی تھی کہ حکومت کے کلیدی عہدوں پر تجربہ کار اور پختہ عمر کے لوگ ہونے چاہئیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ نوجوان لوگ ذہین اور اہل نہیں ہوتے۔ بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ پختہ عمر کے لوگ اپنی نوجوانی کے ایام میں کافی کام سرانجام دے چکے ہوتے ہیں اور ان کے سابقہ ریکارڈ سے آسانی سے ان کی اہلیت اور موزونیت کا اندازہ لگا لیا جاتا ہے۔

نوجوان طبقہ کو ایسے عہدوں پر فائز کرنے سے پیشتر کئی امتحانات سے گزرنا چاہیے۔ ہنگامہ سخت خطرناک مہم جوئی، دولت کی ریل پیل، رعنائی، حسن کی ایمان شکن قربت غرض کہ ہر مرحلہ سے گزر کر متعلقہ نوجوان حاکم کے رد عمل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کسوٹی پر پرکھا جانے کے بعد عوام کی قسمتوں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ نہ کہ کروڑوں محنت کش باشندوں کی جان و مال سے کھیلنے اور تجربات کرنے کے لئے ہر کس و ناکس کو محنت کش عوام پر مسلط کر دیا جائے۔ (سکندر آرٹسٹ۔ لانڈھی کورنگی۔ کراچی)

بقیہ: ضیا سرحدی کی یادداشتیں

تھی اور ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ اسے صرف عاشق کی تلاش نہیں تھی اس کو اپنا ایک پجاری چاہیے تھا جس کی زندگی اس کے انگ انگ سے برستی ہوئی موسیقی پر رقص کرتی رہے۔

اس کے دل کا تقاضا اب چونکہ میں نے پورا کر دیا تھا۔ اس لیے اس نے ٹھان لی تھی کہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہ بھی کہا کرتی تھی کہ وہ مرہٹہ لڑکی ہے اور مرہٹہ لڑکی فطری طور پر اپنے چنے ہوئے مرد کے حق میں بہت ہی مخلص اور وفا شعار ہوا کرتی ہے۔

یہاں پر میں اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اس معمولی عورت کے متعلق ایک بات اور واضح کر دوں میرے اور اس کے عشق کا سلسلہ ایک سال تک چلتا رہا اور ہم بلاناغہ ہر روز ملتے رہے۔ رات کے اندھیروں میں بھی ہم ایک دوسرے کے قریب رہے مگر میرے اس کے مراسم شدت جذبات اور اشتیاق انگیز صورت حالات کے باوجود بوسوں کی حد سے آگے کبھی نہیں بڑھے۔ میری دیوانگیوں اور بے اختیار تقاضوں کے باوجود وہ ایک ہی جواب دیا کرتی تھی NO, NOT TILL WE ARE MARRIED.

اپنی اس دیوی کے بہاریں گلستان، شعور و کردار سے مجھے کیسے کیسے گلہائے رنگا رنگ ملے۔ اور میری فلمی سوچ کے بدلنے میں اس نے کس حد تک میری مدد کی۔ ذہنی کشمکشوں کے مختلف موڑوں سے اس کا چیلہ بن کر اس کے چراغوں سے اپنی راہوں کو روشن کرتے ہوئے میں کیسے گزرتا رہا اس کی تفصیل غیر ضروری ہے اور بس اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس چمن زار عنایات یا اس قوس رفعت سے حسب مقدور میں نے کچھ رنگ ضرور حاصل کیے۔ لیکن ؎

ناگہاں اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

بقیہ: پی ایف یو جے کا بیان

اور "مشرق" کے علیحدہ علیحدہ آزاد ٹرسٹ قائم کیے جائیں جن پر ان اخبارات کے کارکنوں کا مؤثر کنٹرول ہو۔ پی ایف یو جے نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخباروں کو ان کے انفرادی مالکان کو واپس کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ وزیر اطلاعات نے یہ غلط کہا ہے کہ "پی ایف یو جے" ان اخباروں کو ان کے مالکوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے ——!"

"ہم صدر بھٹو سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ وزارتِ اطلاعات کو ان ظالمانہ اقدامات سے باز رکھیں۔ کیونکہ اس کے خراب نتائج بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہماری اپیل ہے کہ وزارتِ اطلاعات اور اس کے اعلیٰ حکام کی پریس دشمن اور صحافی دشمن پالیسیوں کی تحقیقات اعلیٰ سطح پر کرائی جائیں۔"

ہم اپنی ملحقہ یونینوں کو ہدایت دیتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسِ عاملہ یا جنرل باڈی کے اجلاس بلائیں اور ایسے ہی بیانات اور قراردادیں منظور کریں۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی مجلسِ عاملہ آئندہ اجلاس میں اس صورت حال پر غور کرے گی۔

بقیہ: بحرِ ہند میں "گن بوٹ" پالیسی

محدود ہوگئی ہے۔ جہاں سے وہ ایشیا میں داخل ہوا تھا۔

بحر ہند کے ساحلوں پر واقع بہت سے ممالک کے عوام آزادی کی نعمت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی انقلابی جدوجہد نے سامراج کی سمندری برتری کا خاتمہ کر دیا ہے۔

پاکستان، ری پبلک آف سری لنکا، کویت اور دوسرے ممالک کے عوام متعدد بار بحر ہند اور دیگر ممالک کی سلامتی کے خلاف ان بڑی طاقتوں کی غیر قانونی حرکتوں کی مذمت کر چکے ہیں۔

گذشتہ سال کے اواخر میں بحر ہند کے ممالک کے نمائندوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بحر ہند میں ایک علاقہ امن قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ جسے مختلف ممالک کے عوام کی تائید و حمایت حاصل ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بحر ہند کے جیالے عوام ان بڑی طاقتوں کی توسیع پسندی، مداخلت اور کنٹرول کی پالیسی کے خلاف زبردست جدوجہد کرتے رہیں گے۔

پی آئی اے
ہمہ تن گوش ہے



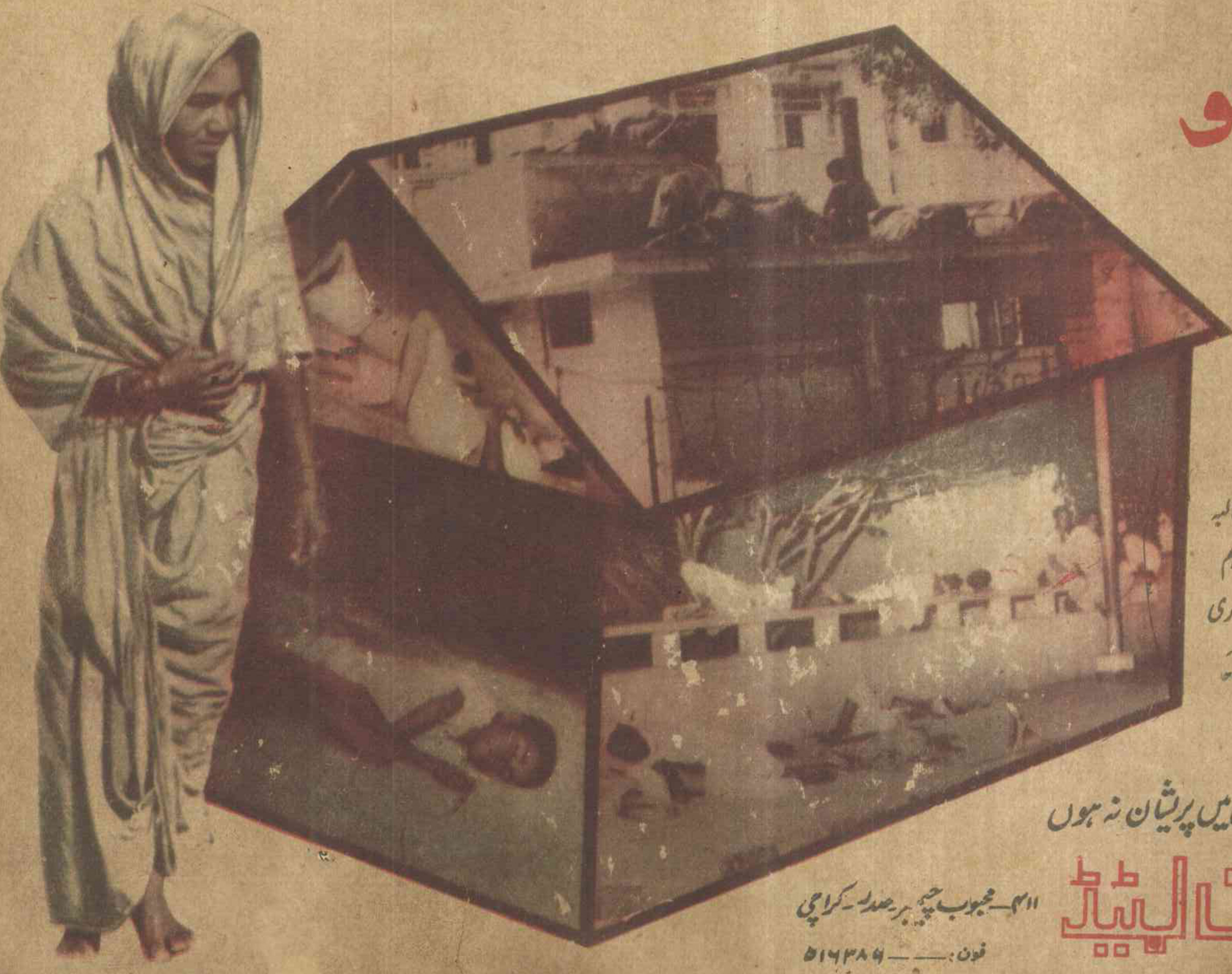
ہم اپنی خوبیوں سے زیادہ اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھتے ہیں اور آپ کی ہر شکایت سننے کیلئے ہر وقت حاضر ہیں۔
آپ کی آسائش ہمیں عزیز ہے لیکن بعض اتفاقات عجیب ہوتے ہیں شکایت کا کوئی سبب پیدا ہو جاتا ہے۔
ہماری تمنا ہے کہ ہم ہر شکایت کا ازالہ کر سکیں اور یہ صرف آپ کے پُرخلوص تعاون سے ہی ممکن ہے۔ آپ ہمیں ہماری کوتاہیوں سے ضرور آگاہ کیجئے۔
ہم یقین دلاتے ہیں کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں ہم اپنی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

PIA

پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
21— 28. SEPTEMBER. 1972

رہنے کو گھر چھوٹا سا...



عوام کا سب سے بڑا مطالبہ
آبادکاری ہے۔ اور یہ اہم
فرض ادا کرنے کی ذمہ داری
سلمان لمیٹڈ نے لی ہے۔

آپ گھر کی تلاش میں پریشان نہ ہوں

سلمان لمیٹڈ

۱۱۴ — محبوب چیمبر، صدر - کراچی
فون: —— ۵۱۶۳۸۶